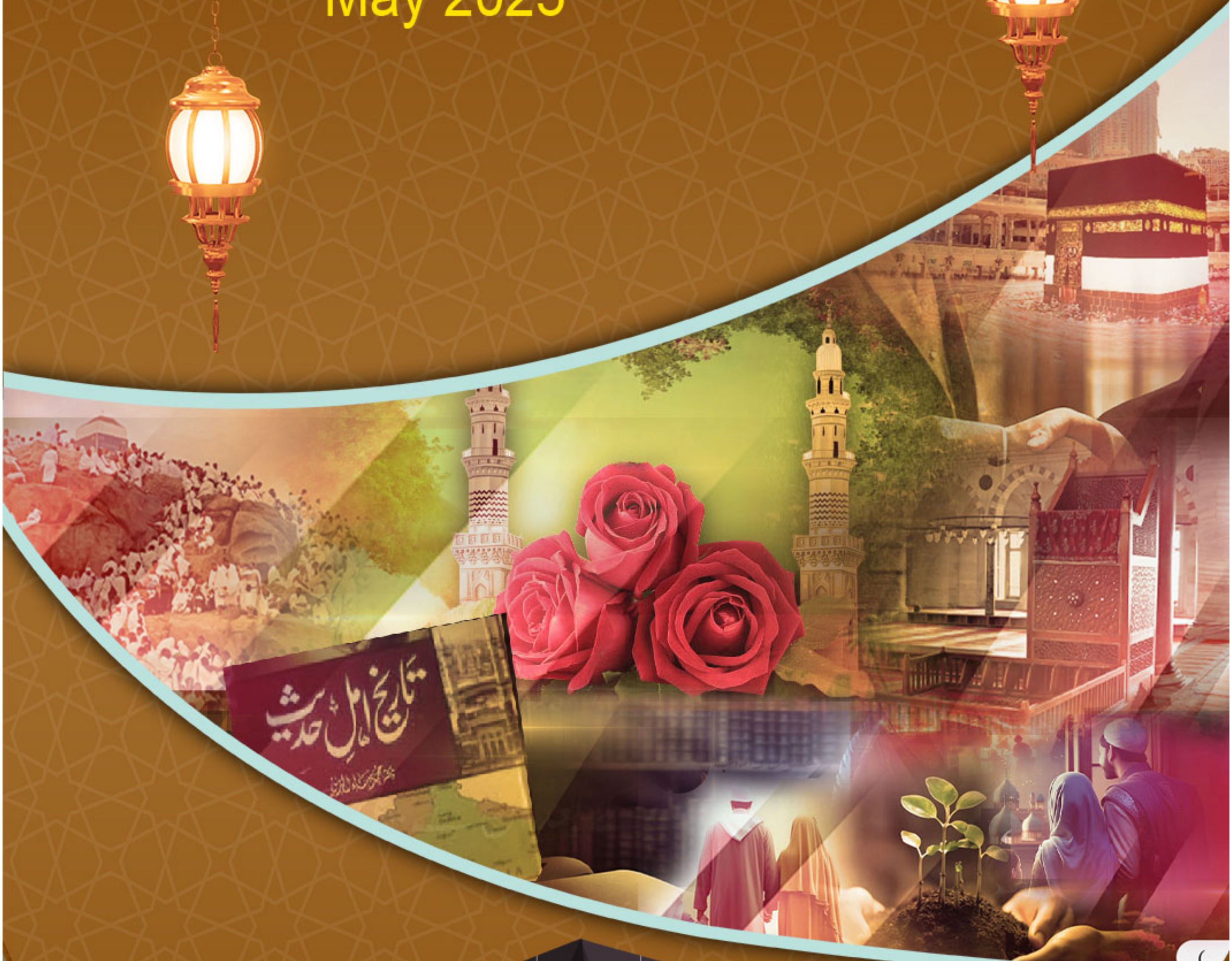
ماھنامہ

صراطِ مستقیم

برمنگھم

May 2025





وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

صراطِ مستقیم برمنگھم

بیاد
مولانا فضل کریم عاصم رحمہ اللہ
مولانا محمود احمد میرپوری رحمہ اللہ

Vol: 45 No. 07 May 2025
Dhu al-Qadah1446 AH
جلد: 45 شمارہ: 07 مئی 2025ء
ذوالقعدہ: 1446ھ

فہرست مضامین

فکر ونظر	حج بیت اللہ فرض ہے، اس کے لیے جلدی کی جانی چاہیے	مولانا محمد عبدالحفیظ اسلامی	03
عیسائیت	پوپ فرانسیس کی وفات؛ کچھ غور طلب پہلو	مولانا محمد عبدالہادی العمری	06
عدل وانصاف	عدل واحسان کے زندگی پر کرشماتی اثرات	پروفیسر سینیٹر ساجد میر (امیر مرکزی جمعیت اہلحدیث پاکستان)	08
داعی کے اوصاف	داعیان دین کے لیے گنج گراں مایہ حکمت (قسط 5)	مولانا محمد عبدالہادی العمری	12
سیرت رسول	رسول اللہ ﷺ کا پیغام طالب علموں کے نام	محمد عبدالرحیم خرم عمری جامعی	14
کرامات صحابہ واولیاء	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اولیاء اللہ کی کرامتیں (قسط 18)	ڈاکٹر عبدالرب ثاقب ڈڈلی	19
حدیث وعلوم الحدیث	زندگی ایسے گزاریں (قسط 36)	مترجم: حافظ فیض اللہ ناصر	21
حدیث وعلوم الحدیث	عمدۃ الأحکام، کتاب الصلوٰۃ: نماز میں قرأت کے متعلق (قسط 48)	فضل الرحمٰن حقانی، خطیب وامام محمدی مسجد نیلسن یوکے	24
کرامات صحابہ واولیاء	سوالات کے جوابات	ڈاکٹر صہیب حسن (لندن)	26
معاشی نظام	Cryptocurrency کی تکنیکی حقیقت اور شرعی حیثیت (قسط 1)	ڈاکٹر سید حسین مدنی	29
حقوق وآداب	مہمان نوازی کی اہمیت	ابوحمدان اشرف فیضی (ناظم جامعہ محمدیہ عربیہ، رائیدرگ)	32
تاریخ	تاریخ اہل حدیث	ڈاکٹر بہاؤ الدین	37

Correspondence Address:
SIRATE-MUSTAQEEM
20 Green Lane, Small Heath,
Birmingham B9 5DB
Tel: 0121 773 0019
Fax: 0121 766 8779

ناشر: مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ
Markazi Jamiat Ahl-e-Hadith UK
www.mjah.org.uk/siratemustaqeem
E-mail: info@mjah.org.uk



حج بیت اللہ فرض ہے، اس کے لیے جلدی کی جانی چاہیے

مولانا محمد عبدالحفیظ اسلامی

حج بیت اللہ، اسلام کے اہم فرائض میں داخل ہے؛ جس کی فرضیت قرآن و سنت اور اجماع امت ان تینوں سے ثابت ہے۔ اس سلسلہ میں ارشاد ربانی ہے: ﴿ إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ 0 فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ ۖ وَمَن دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا ۗ وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۚ وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ﴾ (سورۃ آل عمران: 96-97)

"بے شک سب سے پہلی عبادت گاہ جو انسانوں کیلئے تعمیر ہوئی وہ وہی ہے جو مکہ میں واقع ہے۔ اس کو خیر و برکت دی گئی اور تمام جہاں والوں کیلئے مرکز ہدایت بنایا گیا تھا۔ اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں، سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا مقام عبادت ہے اور اس کا حال یہ ہے کہ جو اس میں داخل ہوا مامون ہو گیا۔ لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے اور جو کوئی اس حکم کی پیروی سے انکار کرے تو اسے معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔"

آیت کریمہ سے ہمیں یہ بات معلوم ہوئی کہ کعبۃ اللہ کی کتنی بڑی اہمیت و عظمت ہے کہ سارے لوگوں کیلئے مرکز توحید و ہدایت اور برکت کا مقام ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام عبادت بھی وہیں پر ہے، اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نشانی زم زم کا کنواں ہے۔۔۔۔ اس متبرک گھر کی خصوصیت یہ ہے کہ جو بھی اس کے اندر (حدود حرم میں) داخل ہو گیا وہ امن پا لیا، لہٰذا اب جو کوئی اللہ کے اس متبرک مقام تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو اسے چاہئے کہ ضرور بہ ضرور اس کا حج کرے (یعنی ذوالحجہ کے ایام معین میں مکہ مکرمہ میں بیت اللہ کی زیارت و طواف، وقوف عرفات اور دیگر مناسک "سنت کے مطابق" ادا کرنا)۔ لہٰذا اب جو کوئی بھی اس حکم کی فرمانبرداری سے جی چرائے گا اللہ اس سے (بلکہ) تمام دنیا سے بے پرواہ ہے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے جس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یوں آیا ہے: "اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے لہٰذا تم حج کرو۔" (بخاری و مسلم)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا: "اسلام میں صیرورت نہیں ہے" یعنی حج کی استطاعت کے باوجود حج کئے بغیر مر جانا نہیں ہے۔ (سنن ابوداؤد)

اسی طرح سیدنا عبدالرحمان بن سابط رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد آیا ہے "جو شخص حج کئے بغیر مر گیا حالانکہ اس کے راستے میں نہ کوئی مرض، نہ کوئی ظالم حکمراں اور نہ کوئی واضح ضرورت حائل ہوئی، تو وہ چاہے یہودی ہو کر یا نصرانی ہو کر جس طرح چاہے مر جائے۔ اس ارشاد گرامی سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ جو شخص، قوت و طاقت صلاحیت اور حالات کے ساز گار ہوتے ہوئے بھی اس عظیم فریضہ سے جی چراتا ہے تو مسلمان کی حیثیت سے مرے گا یا نہیں اس کی کوئی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔

در منثور میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے اور بھی زیادہ سخت وعیدیں ہمیں ملتی ہیں۔

الغرض مذکورہ بالا آیت کریمہ اور ارشادات نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ حج کی کتنی اہمیت ہے لہٰذا ہمیں چاہئے کہ حج کی استطاعت پیدا ہوتے ہی اس فرض کو ادا کرنے میں عجلت سے کام کرنا چاہئے، جیسے نماز کا وقت شروع ہوتے ہی اذان کے ساتھ ہم مسجد کی طرف لپکتے ہیں اسی طرح حج بیت اللہ کی طرف بھی جلدی کرنی چاہئے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اپنے بھائی سیدنا فضل رضی اللہ عنہ سے یا سیدنا فضل رضی اللہ عنہ اپنے بھائی سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو شخص حج کا ارادہ رکھتا ہو، اسے جلدی کرنا چاہئے اس لئے کہ اسے بیماری آ سکتی ہے، اس کی سواری گم ہو سکتی ہے یا اسے کوئی اور ضرورت پیش آ سکتی ہے۔" (مسند احمد، سنن ابن ماجہ، بیہقی، دارمی)

اسی طرح سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"حج کی ادائیگی میں جلدی کرو اس لئے کہ تم میں سے کوئی شخص یہ نہیں جانتا کہ اسے کب کوئی رکاوٹ پیش آ جائے۔" (مسند احمد؛ سنن ابوداؤد)

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک جو شخص باوجود استطاعت کے حج نہیں کرتا وہ مسلمان نہیں۔

"مسند سعید بن منصور میں ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

میرا قصد ہے کہ میں لوگوں کو مختلف شہروں میں بھیجوں وہ دیکھیں جو لوگ باوجود مال رکھنے کے حج نہ کرتے ہوں ان پر جزیہ لگا دیں وہ مسلمان نہیں ہیں۔ (ابن کثیر)

اس بات پر تمام ائمہ کرام کا اجماع ہے کہ کسی بھی شخص خواہ وہ مرد ہو یا عورت حج کی فرضیت کیلئے پانچ چیزوں کی شرط لازمی ہے:

1۔ مسلمان کا ہونا ضروری، اس لئے کہ دین کے جتنے بھی احکام ہیں ان کے مخاطب صرف اہل ایمان ہی ہیں۔

2۔3۔ وہ عاقل و بالغ ہو کیونکہ جو بلوغ کو نہ پہنچے اور جن کی دماغی حالت ٹھیک نہ ہو وہ کسی شرعی حکم کے مکلف نہیں ہیں۔ اس سلسلہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”تین شخص مرفوع القلم ہیں یعنی کسی شرعی حکم کے مکلف نہیں ہیں، ایک سویا ہوا یہاں تک کہ بیدار ہو جائے، دوسرا بچہ یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے تیسرا مجنون حتی کہ وہ ہوش مند ہو جائے۔“ (سنن ابو داوٗد؛ جامع ترمذی؛ سنن ابن ماجہ)

4۔ وہ آزاد ہو یعنی وہ کسی کا غلام نہ ہو۔ (کیونکہ اس کے پاس اتنی استطاعت ہی نہیں رہتی کہ وہ خود سے کعبہ اللہ شریف تک پہنچ سکے)

5۔(پانچویں چیز یہ کہ) خانہ کعبہ تک پہنچنے کی استطاعت۔(المغنی : 3/121؛ بحوالہ فقہ السنہ)

لمحہ فکر

محترم قارئین کرام! قرآن حکیم و ارشادات نبوی ﷺ کے حوالوں سے ہمارے سامنے یہ بات صاف طور پر آرہی ہے کہ اسلام میں حج کرنے کی کتنی اہمیت ہے اور نہ کرنے سے کتنا خسارہ و بدنصیبی پیدا ہونے والی ہے۔ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے جو ہر وقت اہل ایمان کو نقصان پہنچانے کیلئے تیار رہتا ہے حج کے معاملہ میں بھی وہ دلوں میں طرح طرح کے وسوسہ ڈال کر بڑے بڑے مالداروں کو بھی اس اہم فریضہ سے غفلت میں ڈالدیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہمارے درمیان بعض بھائی ایسے پائے جاتے ہیں جو حج کے معاملے میں ٹالم ٹولی کرتے ہوئے بہانہ بنا کر حج بیت اللہ کی فرضیت و سعادت کی نعمت سے محروم ہیں، رشتہ داروں، دوست احباب کی طرف سے توجہ دلانے کے باوجود حج بیت اللہ کا ارادہ نہیں رکھتے اور مختلف حیلے بناتے رہتے ہیں ایسے ہمارے بھائیوں کو اپنی غفلت سے فوری باہر نکلتے ہوئے اپنی اصلاح کرنے کی ضرورت ہے۔

ورنہ ہمارے پیارے نبی ﷺ کا وہ ارشاد جس میں یہ بات آئی ہے کہ جو لوگ استطاعت رکھنے کے باوجود حج کو نہیں نکلتے خواہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر جس طرح چاہئے مر جائے۔ نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد ان لوگوں کیلئے ایک لمحہ فکر دے رہا ہے کہ حج فرض ہونے اور استطاعت حاصل ہونے پر بھی حج نہیں کرتے وہ سوچ لیں کہ اپنا خاتمہ کس گروہ کے ساتھ پسند کرتے ہیں!!! حالانکہ نبی ﷺ نے اہل ایمان کو ایمان پر خاتمہ کی دعا سکھلائی ہے۔

اللّٰهُمَّ مَنْ أَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَأَحْيِهِ عَلَى الْإِسْلَامِ، وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَى الْإِيمَانِ

”اے اللہ! ہم میں سے جسے تو زندہ رکھے اسے اسلام پر زندہ رکھ اور ہم میں سے جسے تو موت دے ایمان پر موت دے۔“

حقیقت یہ ہے کہ آدمی حج کے ذریعہ اپنی آخرت کو سنوار لیتا ہے کیونکہ حج بیت اللہ کے موقع پر حجاج جو کچھ بھی دعا مانگتے ہیں اللہ تعالیٰ اسے قبول فرماتا ہے اور حاجی کی حیثیت اللہ تعالیٰ کے مہمان کی سی ہے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”حج اور عمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے وفد (مہمان) ہیں۔ اگر وہ اس سے دعا کرتے ہیں تو وہ ان کی دعا قبول فرماتا ہے اگر اس سے بخشش طلب کرتے ہیں تو وہ انہیں بخش دیتا ہے۔(سنن نسائی، ابن ماجہ)

یہ بات عین حق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس کسی کی بھی بخشش فرما دیا وہ بڑا کامیاب آدمی ہے لہٰذا اپنی بخشش طلب کرنے کیلئے حج جیسے فرض کی ادائیگی کیلئے ہمیں فکر مند ہو جانا چاہئے اور جن لوگوں سے اب تک جو کچھ غفلت ہو چکی اس سے جلد باہر نکل کر حج بیت اللہ کیلئے تیاری کرنی چاہئے۔

کوششیں کرنا ہمارا کام ہے اسباب کو پیدا کرنا اور کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانا اللہ کے ذمہ۔

حج کا اصل توشہ دان تقویٰ

جن لوگوں کو اللہ تبارک تعالیٰ نے حج بیت اللہ کرنے کی توفیق بخشی ہے وہ لوگ انتہائی مبارکبادی کے مستحق ہیں۔ لیکن اس سلسلہ میں چند اہم اور ضروری باتیں ہیں جس کا پاس خیال رکھنا بے حد ضروری ہے جس کے بغیر حج کی برکتوں سے محرومی کا امکان باقی رہتا ہے۔

اللہ تبارک تعالیٰ حجاج کرام کیلئے چند آداب بتائے ہیں اس کے عین مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔ فرمایا:

﴿الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَاتٌ ۚ فَمَن فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۗ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللَّهُ ۗ وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ ۚ وَاتَّقُونِ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ﴾ (سورۃ البقرہ : 197)

”حج کے مہینے سب کو معلوم ہیں۔ جو شخص ان مقرر مہینوں میں حج کی نیت کرے، اسے خبردار رہنا چاہئے کہ حج کے دوران میں اس سے کوئی شہوانی فعل، کوئی بدعملی، کوئی لڑائی جھگڑے کی بات سرزد نہ ہو۔ اور جو نیک کام تم کرو گے، وہ اللہ کے علم میں ہوگا۔ سفر حج کیلئے زاد راہ ساتھ لے جاؤ۔ اور سب سے بہتر زادِ راہ پرہیزگاری ہے۔ پس اے ہوشمندو! میری نافرمانی سے پرہیز کرو۔“

آیت مذکورہ بالا کے ذریعہ اللہ تبارک تعالیٰ حجاج کرام کو 4 باتوں کی نصیحت فرماتا ہے کہ حالت احرام میں حاجی کو کس طرح رہنا چاہئے۔

1۔ حالت احرام میں میاں و بیوی کے درمیان تعلق زن و شو کو ممنوع قرار دیا گیا، ان کے درمیان گفتگو میں یہ احتیاط بھی ملحوظ رہنی چاہئے کہ وہ کوئی ایسی بات اپنی زبان سے نہ نکالیں جو شہوانی خواہشات کو ابھارتیں ہوں ”رفث“ کہتے ہی اس چیز کو ہیں کہ (الجماع والافعاش للمراۃ بالکلام) جماع کرنا یا اس کے متعلق باتیں کرنا۔

2۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ ہر وقت گناہوں سے بچتا رہے اللہ کی نافرمانی سے اپنے آپ کو بچائے رکھے اور یہ عمل پوری زندگی میں جاری رہے لیکن ایک حاجی کیلئے تو ظاہری و باطنی نافرمانیوں سے اجتناب کرنا بیحد ضروری ہے کیونکہ مناسک حج کا سارا عمل اللہ کی رضا و خوشنودی کیلئے ہے لہٰذ ہر وقت اللہ تبارک تعالیٰ کی نافرمانی کے انجام بد سے ڈر کر ہمارے ایام حج گذریں۔ ''فسوق'' ایک ایسا جامع لفظ ہے جس میں (جمیع المعاصی کلھا) جس میں وہ تمام چھوٹے بڑے، ظاہر و پوشیدہ گناہ شامل ہیں، جس سے پرہیز کرنے کی حجاج کرام کو تاکید کی گئی۔ علاوہ ازیں:

3۔ تیسری چیز جس سے بچنے کی تائید فرمائی گئی وہ یہ ہے کہ لڑائی جھگڑے کی کیفیت حجاج کرام میں ہرگز پائی نہ جائے۔ حج بیت اللہ کا سفر حجاج کرام کیلئے ایک آزمائش سے کم نہیں ہے اس سلسلے کے لمحات بڑے صبر آزما ہوتے ہیں، گھر سے روانہ ہونے کے بعد سے لے کر گھر واپس لوٹنے تک صبر کا امتحان ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جنت ودرجات جنت اللہ کی راہ میں صبر کرنے والے صابرین کیلئے مہیا کئے گئے ہیں شیطان تو چاہتا ہے کہ مومن بندوں کے درمیان جھگڑا ہو، چھوٹی چھوٹی باتوں میں آکر یہ ایک دوسرے کا گریبان پکڑیں اور اپنے اعمال صالحہ غارت کر لیں۔ لہٰذا ایسے موقع پر جبکہ وہاں لاکھوں کا انسانی مجموعہ ہوتا ہے ہر ملک اور ہر خطہ سے لوگ وہاں جمع ہوتے ہیں، خواہ، لہٰذا اپنے ملک کا حج ٹرمنل ہو یا جدہ کا ایرپورٹ بسوں میں چڑھتے وقت اترتے ہوئے، اپنی رہائش گاہوں میں قیام کے دنوں، طواف کعبہ کے موقع پر، منیٰ میں قیام کے دوران یا عرفات میں ٹھہرنے کے موقع پر جمرات میں کنکریاں مارتے ہوئے غرض کہ ہر کٹھن لمحات کے موقع پر حجاج ایک دوسرے کا احترام کریں تکلیف نہ پہنچائیں سخت الفاظ اپنی زبان سے ہرگز نہ نکالیں یہاں تک کہ اپنے خادمین کے ساتھ بھی بھلائی سے پیش آئیں۔ دراصل سفر حج اہم تربیت ہے ایک مجاہدہ ہے، لہٰذا لڑائی جھگڑا تربیت نفس کو ضائع کرکے رکھ دیتا ہے صبر و تحمل کے ساتھ اس سے بچے رہنی کی پوری پوری کوشش کرنی چاہئے۔

4۔ اس سلسلے میں سب سے بڑی اور اہم بات جو ساری باتوں پر بھاری ہے اس کی طرف نشاندہی فرمائی گئی جس میں اس بات کو واضح انداز میں بیان فرمایا کہ حج بیت اللہ کے سفر میں تم اپنا توشہ دان ساتھ رکھو یعنی کھانے پینے کیلئے اس کے اخراجات تمہارے ساتھ ہونے چاہئے ورنہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانا پڑے گا جسے اسلام پسند نہیں کرتا لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک اصل توشہ دان کی طرف اللہ تبارک تعالیٰ حجاج کرام کو متوجہ فرماتا ہے جو ساری باتوں کا اصل ہے وہ یہ کہ ''سب سے بہتر توشہ تو پرہیزگاری ہے؟''

عرب کے اکثر لوگ خصوصاً اہل یمن کا دستور تھا کہ جب حج کی نیت سے گھروں سے نکلتے تو سفر خرچ ساتھ نہ لاتے اور اس کو توکل کے خلاف سمجھتے اور راستہ میں لوگوں سے بھیک مانگا کرتے۔ مسلمانوں کو اس غیر انسانی طریقہ سے روک دیا گیا اور حکم دیا کہ زاد راہ لے کر چلا کرو۔ کسی کی خدمت نہ کرسکو تو کم از کم دوسروں پر بوجھ تو نہ بنو۔ ساتھ ہی فرمادیا ، بہترین توشہ تقویٰ ہے جو سفر آخرت میں کام آتا ہے۔ (ضیاء القرآن)

حقیقت یہ ہے کہ تقوی کی بنیاد پر ہی انسان صراط مستقیم کی راہ پر گامزن رہتا ہے قرب خداوندی گناہوں سے بچ کر نکلنا بندگان خدا کا احترام اللہ کی فرمابرداری وغیرہ یہ صرف اور صرف تقوی والی زندگی سے ممکن ہے۔

اصل خوبی خدا کا خوف اور اس کے احکام کی خلاف ورزی سے اجتناب اور زندگی کا پاکیزہ ہونا ہے۔ جو مسافر اپنے اخلاق درست نہیں رکھتا اور خدا سے بے خوف ہو کر برے اعمال کرتا ہے، وہ اگر زادِ راہ ساتھ نہ لے کر محض ظاہر میں فقیری کی نمائش کرتا ہے، تو اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ خدا اور خلق دونوں کی نگاہ میں وہ ذلیل ہوگا اور اپنے اس مذہبی کام کی بھی توہین کرے گا جس کیلئے وہ سفر کر رہا ہے لیکن اگر اس کے دل میں خدا کا خوف ہو اور اس کے اخلاق درست ہوں، تو خدا کے ہاں بھی اس کی عزت ہوگی اور خلق بھی اس کا احترام کرے گی، چاہے اس کا توشہ دان کھانے سے بھرا ہوا ہو۔ (تفہیم القرآن)

لہٰذا تمام حجاج کرام کو چاہئے کہ وہ جہاں پر اب سامان سفر اہتمام کے ساتھ باندھ رہے ہیں اس کے ساتھ ساتھ خدا کا خوف بھی اپنے ساتھ رکھیں جس کے ذریعہ سے ان شاء اللہ تبارک تعالیٰ حج کی برکات اور اس کے مقصد کے حصول میں کامیابی ضرور مل سکتی ہے، حج کی قبولیت کا دارومدار اس کے مناسک کو کتاب اللہ و سنت رسول ﷺ کے عین مطابق ادا کرنے میں ہے جس کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہئے، مختصر یہ کہ اللہ جل شانہ کا ذکر ہمیشہ زبان پر رہنا دل ودماغ پر حاوی رہنا اور مرکز توحید کے اثرات اپنے عمل سے بھی ظاہر ہوں تو سمجھ لیجے کہ یہ حج مبرور ہے۔ ایک اہم چیز اپنے لیے اپنے والدین کی صحت اور خاندان والوں کے علاوہ اپنے ملک کی ترقی امن وسلامتی کے لیے اللہ تبارک تعالیٰ سے خوب دعائیں بھی کرتے رہنا چاہئے۔

پھر جب مسجد نبوی ﷺ کی زیارت کرنے کا شرف حاصل ہو تو وہاں پر اپنی آواز کو انتہائی پست رکھتے ہوئے بہت ہی ادب واحترام کے ساتھ ایک ایک لمحہ کی قدر کریں نبی ﷺ کی مدنی حیات طیبہ کے واقعات پر غور کریں، خلفاء راشدین وصحابہ کرام وسلف صالحین کے طریقہ پر روضہ رسول ﷺ پر آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے سلام پیش کریں، اور جب تک مدینے میں رہنے کا موقع ملا قرآن کی تلاوت، درود وسلام کی کثرت رکھیں۔

☆☆☆



نصرانی فرقہ رومن کیتھولک کے مذہبی پیشوا، پوپ فرانسیس کی 88 برس کی عمر میں وفات ہوگئی۔ پوپ عرصہ سے بیمار چلے آرہے تھے۔ ترتیب کے اعتبار سے 266 ویں پوپ تھے، ان کا تعلق ارجنٹینا سے تھا، اس فرقہ سے وابستہ افراد دنیا بھر میں ایک ارب سے زیادہ ہیں، باقی عیسائی فرقوں سے منسلک افراد محدود تعداد میں ہیں۔

پوپ خود کو سینٹ پیٹرس (حواری عیسیٰ علیہ السلام) کا جانشین سمجھتے ہیں، جنہیں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے یہ ذمہ داری سونپی تھی کہ تم مچھلیوں کا شکار کرنے کے بجائے، انسانوں کا روحانی اور مذہبی طور پر شکار کرو اسی لیے پوپ کی انگوٹھی کو FISHERMAN RING کہا جاتا ہے، اس کی نصاری کے ہاں بڑی اہمیت ہے، اتفاق سے جن دنوں وہ روم کے ہاسپٹل میں زیر علاج تھے، میں اٹلی میں ہی تھا، وہاں جمعہ اور کچھ خطابات تھے، روم کا ہی ایک مختصر سا محلہ ہے، ویٹکان جسے ایک علیحدہ ملک کا درجہ حاصل ہے، یہ کیتھولک فرقہ کا عالمی مرکز سمجھا جاتا ہے۔ یہیں پوپ کا قیام رہتا ہے، مغربی ممالک کے برعکس اٹلی میں کنیساؤں کی دیکھ بھال کا زیادہ اہتمام ہے، اگر چیکہ لوگوں کی اکثریت کا مذہب سے تعلق صرف جذباتی نوعیت کا ہے، عبادت کے لیے چرچ جانے والوں اور عیسائی تعلیمات پر عمل کرنے والوں کی تعداد بہت کم ہے، لیکن پوپ کی وجہ سے ان کا ربط کسی نہ کسی اعتبار سے برقرار رہتا ہے، اٹلی میں چرچ کو اتنی اہمیت حاصل ہے کہ اس کے قرب وجوار میں

کسی دوسرے مذہب کی عبادت گاہ نہیں بنائی جاسکتی، جبکہ برطانیہ وغیرہ میں تو چرچ خرید کر مسجد میں تحویل کیا جاسکتا ہے، انگلینڈ کے مقابلہ میں اٹلی میں مذہبی آزادی اور رواداری بہت کم ہے، یہاں ابھی تک اسلام کو سرکاری طور پر تسلیم نہیں کیا گیا، حالانکہ وہاں لاکھوں مسلمان زمانہ دراز سے مقیم ہیں، بیرون ملک سے آئے باشندوں میں عرب ممالک الجزائر، مراکش، مصر وغیرہ کے علاوہ پاکستان سے آئے لوگ کثیر تعداد میں ہیں، خود وہاں کے مقامی مسلمان باشندوں کی تعداد بھی قابل قدر ہے، لیکن مساجد کو سرکاری طور پر رجسٹرڈ نہیں کیا جاسکتا، مراکز اور کمیونٹی سنٹرز بنانے کی اجازت ہے، ہر بڑے شہر میں کئی کئی مراکز ہیں، ان میں یومیہ نمازوں کے علاوہ خطبات جمعہ، دروس اور تعلیمی کلاسوں کا اہتمام ہوتا ہے، میلان شہر جہاں اسلامی کلچر سنٹر ہے، میرا خطبہ جمعہ مقرر تھا، یہ چار منزلہ وسیع عمارت ہے، لوگوں کی کثرت کے باعث جمعہ کی دو جماعتیں ہوئیں۔ اس سنٹر میں مختلف تعلیمی اور دعوتی سرگرمیاں جاری ہیں لیکن کلچر سنٹر کے طور پر اس لیے اجتماعات کے موقعوں پر بہت احتیاط کرنی پڑتی ہے، پورے ملک میں صرف تین چار مساجد ہیں۔ ان میں نمایاں روم میں واقع مرکزی مسجد ہے جو سعودی عرب کی جانب سے تعمیر کی گئی، اس میں دس ہزار سے زیادہ افراد بیک وقت نماز ادا کرسکتے ہیں، وسیع لیکچر ہال، کلاس روم وغیرہ وغیرہ مختلف سہولتیں ہیں، سعودی حکومت نے اس کو باقاعدہ مسجد کی حیثیت سے رجسٹرڈ کروایا، انہیں بطور خاص اس کی اجازت دی گئی، 1995ء میں اس کا افتتاح عمل میں آیا، اگر ہر مسلم ملک ایک ایک مسجد اسی طرح تعمیر کرواتا تو پچپن مساجد تو قانونی طور پر رجسٹرڈ ہوسکتیں۔

مغربی ممالک اور سیکولر طبقہ آزادی نسواں اور مساوات مرد وزن کے وقتاً فوقتاً نعرے اور دعوے کرتے رہتے ہیں۔ ان کا نشانہ عموماً مسلمان اور دینی ادارے ہوتے ہیں، لیکن آزادی اور مساوات کے یہ متوالے عیسائیت اور چرچ کے رویہ سے نظریں چراتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، کیتھولک جو عیسائیوں کا بڑا گروہ ہے، وہاں خواتین کی حیثیت دوسرے درجہ کی ہے، اس سلوک کے خلاف کوئی قابل ذکر آواز نہیں اٹھائی جاتی۔ سوائے جزوی طور پر کچھ مدھم اور محدود سی کوششوں کے، پوپ فرانسیس نے اس سلسلہ میں اتنا کہا کہ چرچ میں خواتین کو کچھ مقام ملنا چاہئے لیکن کوئی موثر عملی اقدام نہیں اٹھایا، پوپ کے انتخاب میں خواتین کو رائے دینے کا اختیار نہیں، اس فرقہ کی اعلی سطحی شوری 'کارڈنن' میں ایک بھی خاتون رکن نہیں، حالانکہ اس کے تقریباً دو سو سے زیادہ ارکان ہیں، اس کی حیثیت مرکزی مجلس شوری کی ہے۔ دنیا بھر سے مشہور مذہبی رہنماؤں کو اس کی رکنیت دی جاتی ہے، جنہوں نے عیسائیت کے لیے قابل قدر خدمات انجام دی ہوں، اس کا انتخاب بھی بڑی حد تک پوپ کی ہی صوابدید پر ہوتا ہے، یہ سب کے سب مرد ہیں، اور اسی مجلس شوری کو نئے عالمی پوپ کے انتخاب کا حق ہوتا ہے، اس میں ایک رکن کراچی کا بھی ہے، اس عدم مساوات کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ دراصل یہ شوریٰ کارڈنن نمائندگی کرتی ہے، سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین کی جو ان کے قریبی مؤمن ساتھی تھے، وہ سب کے سب مرد تھے، لہذا اس اصول میں تبدیلی کرکے خواتین کو شامل کرنا آسان نہیں !

ہمیں اس سے دلچسپی نہیں کہ مذہبی اور ثقافتی طور پر کیا اسباب اور رکاوٹیں ہیں، لیکن جب وہی لوگ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اپنا نشانہ بناتے ہیں تو

وہاں اسی نوعیت کے جوابات کو یکسر نظر انداز کر دیا جاتا ہے بلکہ بعض خواتین کو مساجد میں امامت اور خطابت کے لیے کھڑا کرنے کی کوششیں بھی ہوئیں، اور بعض سیکولر خواتین کے ذریعہ یہ نعرہ لگوایا گیا میرا جسم میری مرضی، جنازہ میں شرکت کرنے والے مردوں کے لیے عموماً ایسا لباس پسند کیا جاتا ہے جس سے مسرت اور شوخی کے بجائے افسردگی جھلکے، اور خواتین کے لیے سر ڈھانکنا بھی اداب میں شامل ہے، چاہے اس کے لیے کتنا ہی باریک اسکارف یا علامتی ٹوپی رکھ لی جائے، لیکن بعض خواتین کو ننگے سر ہی شرکت کرتے دیکھا گیا اور بعض ایسی خواتین بھی تھیں جن کے اپنے ممالک میں حجاب پر پابندی ہے اگر خود سر ڈھانکیں تو ناقدین اور نکتہ چینوں کے تیز و تند تیروں کا سامنا کرنا مشکل ہو سکتا ہے۔ بہر حال ایسی تقریباً میں شرکت کرنے والی خواتین اپنے عمل سے قرآنی حکم کی تصدیق کرتی نظر آتی ہیں:

﴿يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَن يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۗ﴾

کہ خواتین اپنے اوپر جلباب چادریں لٹکا لیا کریں تاکہ ان کی شناخت ہو سکے اور ستائی نہ جائیں۔ (سورۃ الاحزاب 59)

نسوانی شرافت کا ثبوت دینے کے لیے سر ڈھانکنا اور ساتر لباس پہنا ہوتا ہے۔ ویسے یہ تو نصرانیت کے عالمی پیشوا کا جنازہ تھا۔ ورنہ آزادی نسواں کے دلدادہ بھی ویٹکان یا عام کنیساوں سے وابستہ عیسائی ننس مذہبی خواتین ساتر لباس اور سر ڈھانکے ہوئے رہنا ہی پسند کرتی ہیں، ایسے لباس کو ان کی شرافت اور تہذیب کی علامت سمجھا جاتا ہے اور اگر مسلمان عورت حجاب کا اہتمام کریں تو قدامت پسند، دقیانوسی خیالات اور معاشرہ میں تفریق پیدا کرنے والی متصور ہوتی ہے۔

تیری زلف میں پہنچی تو حسن کہلائی
وہ تیرگی جو میرے نامۂ سیاہ میں تھی

نصرانیت میں ابھی تک رہبانیت اور ترک دنیا کا تصور پایا جاتا ہے۔ خصوصاً کنیسا کے اہم مناصب سنبھالنے کے لیے آدمی کو بیوی بچوں اور فیملی سے دوری اختیار کرنی پڑتی ہے، اور یہ فطرت انسانی سے ٹکرانے والا قانون ہے، اس سے ہونے والی برائیاں کنیسا کے اندر دیکھی جا سکتی ہیں۔ پوپ فرانسیس کے دور میں جب جنسی شکایات کا طومار اٹھ کھڑا ہوا اور سوشل میڈیا کی آزادی کے سبب یہ خبریں عام ہوئیں، پوپ نے اس کی روک تھام کے لیے بہت تاخیر سے کچھ اقدامات کئے لیکن ان کی حیثیت اس بے راہ روی کے سیلاب کے آگے معمولی اور ناقص بند سے زیادہ نہیں تھی، جسے کہا جاتا ہے:

Too little too late –

سماجی اور اخلاقی برائیوں میں ایک اہم ایشو ہم جنس پرستی LGBT کا ہے جو، بتدریج فتنہ اور وبا کی شکل اختیار کر گیا اور مختلف ممالک میں اس قباحت کو قانونی تحفظ حاصل ہے، بلکہ ان کے لیے حقوق بھی محفوظ ہیں، اس مسئلہ میں پوپ نے اس برائی میں ملوث لوگوں کے ساتھ ہمدردی اور اظہار یکجہتی کرتے ہوئے ان کے خلاف نفرت انگیز بیانات سے منع کیا اور حکم صادر کیا کہ انہیں چرچ سے بے دخل نہ کیا جائے، پوپ کے اس حکم کے خلاف دیگر مذہبی رہنماؤں نے احتجاج کیا کہ پوپ مذہبی روایات اور اقدار کو کمزور کر رہے ہیں۔ تاہم پوپ کی ذاتی اوصاف سادگی اور تواضع کا تذکرہ عام تھا، اس منصب عالی کے باوجود ان کے ساتھ عوام کی ملاقات نسبتاً آسان تھی، کبھی وہ سرکاری پروٹول کے بغیر عام گاڑی Fiat کے ذریعہ قرب وجوار کے علاقوں میں جایا کرتے، انہوں نے ویٹکان میں مختص عالیشان رہائش گاہ کے مقابلہ میں عام سے فلیٹ کو ترجیح دی، وفات کے بعد سینٹ پیٹرس کے مقبرہ میں دفن ہونے کے بجائے روم میں واقع ایک مقامی چرچ کے مقبرہ میں دفن ہونا پسند کیا، یہ وہی چرچ ہے جس میں وقتاً فوقتاً اپنی انفرادی عبادت اور تنہائی کی چند گھڑیاں گزارنے جایا کرتے۔

اس نکتہ کا بھی اہمیت سے ذکر کیا جاتا رہا کہ وہ ذاتی طور پر غزہ کے حالات پر خاصے کبیدہ خاطر تھے اور چاہتے تھے کہ اس مسئلہ کا کوئی حل نکالا جائے گو کہ عملاً وہاں کے باشندوں کو کوئی ریلیف نہیں ملا اور نہ ہی ان کے لیے راحت رسانی کا انتظام ہو سکا۔ معصوم بچوں کے جسموں کے ٹکڑے خواتین کی بے گور و کفن نعشیں اور اجڑے ہوئے علاقوں سے آگ کے دھکتے ہوئے شعلے امن کے رکھوالوں کے لیے سوالیہ نشان ہیں، پوپ نے توہین رسالت ﷺ کے سلسلہ میں مثبت بیان دیا تھا کہ کسی بھی مذہب کی توہین اور اہم شخصیات کی گستاخی غلط ہے اس سے سب کو اجتناب کرنا چاہئے۔

تب ہی ان کے جنازہ میں تقریباً سو ممالک کے ذمہ داران اور چار لاکھ افراد براہ راست شریک تھے، چرچ کی روایات کے مطابق پندرہ سے بیس دنوں میں نئے پوپ کا انتخاب عمل میں آئے گا، اس کے لیے قدیم روایات کے مطابق کارڈنن کا بند کمرہ میں اجلاس ہوتا ہے، پوپ منتخب ہونے کے لیے دو تہائی ارکان گارڈن کی تائید ضروری ہے. اگر کوئی منتخب ہو جائے تو مخصوص چمنی سے سفید دھواں چھوڑا جاتا ہے جو اعلان کے مترادف ہے کہ انتخابی عمل مکمل ہو چکا ہے، ورنہ سیاہ دھواں جو علامت ہے کہ ابھی تک کوئی منتخب نہیں ہو سکا اور دلچسپ بات یہ کہ جب یک انتخابی عمل مکمل نہ ہو، نمائندگان باہر نہیں آسکتے۔

مراسم جنازہ میں مختلف نمائندوں نے خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے دعائیہ کلماتے کہے۔ ان میں عربی زبان میں کہے جانے والے چند جملوں کو بڑی اہمیت حاصل ہوئی، ایک تو بلاد عربیہ کے ساتھ ان کے روابط کا اظہار اور دوسرے نصرانیت کا عرب دنیا میں وجود اس کو باور کرایا گیا۔ دیکھنا ہے کہ نئے پوپ کون منتخب ہوتے ہیں اور وہ کیا پالیسی اپناتے ہیں۔



بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾ (سورۃ النحل:90)

حمد وثنا اور شکر وتعریف، اللہ رب العالمین کے لیے، جو مالک الملک اور خالقِ کُل ہے اور درود وسلام سرور انبیاء، محمد مصطفیٰ ﷺ کے لیے۔

ہمارا دین، اسلام ایک مکمل رہنمائی دینے والا دین ہے۔ دنیا اور آخرت کی کامیابیاں حاصل کرنے کے لیے اگر ہم اپنے دین کی تعلیمات پر عمل کریں، تو اپنے اس مقصد میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ یہ ایک جامع اور مکمل دین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے قیامت تک کے لوگوں کے لیے بطور دین پسند کیا ہے۔ اس دین میں اگر عبادات کے طریقے بتائے گئے ہیں تو آپس کے معاملات، کاروبار، تعلقات اور جنگ کے بارے میں بھی رہنمائی دی گئی ہے۔ امن میں کیا کرنا ہے؟ معاشرے اور ملک کی سطح پر کیا کرنا ہے؟ انفرادی سطح پر کیا کرنا ہے؟ ہمارے دین اسلام میں ان ساری چیزوں کی تفصیل واضح طور پر بتا اور سمجھادی گئی ہے۔

اسلام نے جو معاشرہ اور جو سوسائٹی بنائی ہے، جو لوگ بنائے ہیں، نبی کریم ﷺ اور اللہ کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے، جو قوم بنی یا جو معاشرہ بنا، وہ ایک بہترین معاشرہ تھا۔ آپس میں محبت، مودت، مساوات، ایک دوسرے کا احساس، ایک دوسرے کا خیال، قربانی کا جذبہ اور ایثار کا جذبہ، یہ ساری چیزیں اس کے اندر موجود تھیں۔ اس لیے کہ انہوں نے قرآن کریم کی یہ بنیادی تعلیم اپنائی تھی:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ﴾ (سورۃ النحل:90)

اللہ تعالیٰ عدل وانصاف کا حکم بھی دیتا ہے اور نیکی اور احسان اور اچھا سلوک کرنے کا بھی حکم دیتا ہے۔

اسلام سے پہلے جو مذاہب یا معاشرے تھے یا جو قومیں تھیں، وہ کبھی ایک انتہا کی طرف نکل گئے، کبھی دوسری ایکسٹریم اور انتہاء کی طرف چلے گئے۔ عیسائیوں کے پاس جو تعلیم تھی، اس میں انصاف کی بجائے احسان پر زیادہ زور تھا، مثلاً آج بھی بائبل میں عیسیٰ علیہ السلام سے منسوب یہ قول موجود ہے، انہوں نے اگر کہا ہو گا تو کسی خاص سیاق وسباق میں کہا ہو گا۔ شاید یہود کی سختی دور کرنے کے لیے کہا ہو گا۔ بہر حال تعلیم یہ تھی کہ اگر تمہیں کوئی ایک تھپڑ مارتا ہے تو اپنا دوسرا رُخسار بھی اس کے آگے کر دو کہ جناب یہاں بھی اپنا شوق پورا کر لو۔ ایک مارا ہے، دوسرا بھی مار لو۔ اگر تمہیں کوئی بیکار میں پکڑتا ہے کہ بغیر اجرت کے تم میرا یہ کام کرو، بوجھ اٹھاؤ یا کوئی اور کام کرو، وہ اپنا بوجھ اٹھوا کے زبردستی، بغیر معاوضے کے، تمہیں ایک میل تک چلانا چاہتا ہے تو کہو جی میں تو تین میل تک چلنے کے لئے تیار ہوں، آگے کہیں جانا ہے تو میں اس کے لئے بھی حاضر ہوں۔ یہ ضرورت سے زیادہ نرمی ہے، جس کی طرف وہ نکل گئے۔

دوسری طرف یہودی تھے، جو سختی کی طرف چلے گئے اور انہوں نے سخت ترین احکام خود پر نافذ کر لیے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی کہا: ٹھیک ہے، پھر بھگتو، اگر تم سختی کی طرف جاؤ گے تو میں بھی تمہیں نرمی کی طرف نہیں لے کے آؤں گا۔ اگر ان لوگوں میں عدل تھا تو وہ خود ان کے اپنے لیے تھا، اپنے لوگوں کے لیے تھا، دوسروں کے لیے، اجنبیوں کے لیے، دوسری قوموں کے لئے نہیں تھا۔ یا پھر وہ کبھی ایک انتہا کی طرف چلے جاتے تو کبھی دوسری شدت کی طرف چلے جاتے۔

اسلام نے بیلنس یعنی توازن قائم کیا، یعنی عدل بھی ہو اور احسان بھی ہو۔ ایک طرف یہ حکم دیا:

﴿وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ﴾ (سورۃ الشوریٰ:15)

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے کہلوایا کہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں کے درمیان عدل کروں، انصاف کروں۔ فرمایا:

﴿لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (سورۃ الحدید:25)

لوگ انصاف پر قائم ہو جائیں، انصاف قائم کریں۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ﴾ (سورۃ الرحمن:9)

یعنی ناپ تول میں بھی انصاف ہو، برتاؤ میں بھی انصاف ہو، سلوک میں بھی انصاف کرو۔

مزید فرمایا:

﴿وَأَقْسِطُوا ۖ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾ (سورۃ الحجرات:9)

اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے، ان سے محبت کرتا ہے۔

اسی طرح فرمایا:

﴿اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ﴾ (سورۃ المائدہ:8)

متقی بننا چاہتے ہو؟ تقوی اپنانا چاہتے ہو؟ تقویٰ اپنے اندر لانا چاہتے ہو؟ تو تم انصاف کرنا سیکھو، تقویٰ خود بخود آجائے گا اور پھر اس سے بڑھ کر عدل کے ساتھ احسان بھی ہو، نیکی بھی ہو۔ احسان کیا ہے؟ کسی کو اس کے حق کے بغیر دینا یا حق سے زیادہ دینا۔ حق دینا انصاف ہے، حق سے زیادہ دینا اور بغیر حق کے بھی دینا، یہ احسان ہے۔ فرمایا:

﴿ وَلَا تَنسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ﴾ (سورۃ البقرہ: 237)

آپس میں مہربانی کرنا مت بھولو۔ یہ سبق ہمیشہ یاد رکھو، جو اسلام نے احسان یا نیکی کرنے کا، دوسرے کو اس کے حق سے زیادہ دینے کا تمہیں دیا ہے۔ ان دو اصولوں کی بنیاد پر سماج یا سوسائٹی قائم کی ہے۔ اقتصادی اور معاشی طور پر بھی یہ دو اصول سامنے رکھے، سماجی طور پر بھی اور سیاسی طور پر بھی۔ قومی زندگی کے یہی تین بڑے دائرے ہوتے ہیں۔

ان دو اصولوں کی بنیاد پر سماجی لحاظ سے اخوت اور مساوات آئی۔ یہ دو چیزیں، جن کی ایک طرف برواحسان، عدل و انصاف ہے۔ ان دونوں نے معاشرہ اور قوم بنائی جس کے اندر اخوت اور مساوات تھی اور بھائی چارہ تھا۔ یہ برو احسان کے نتیجے میں مساوات ہے، یہ عدل وانصاف کے نتیجے میں۔

مساوات کیا ہے؟ یعنی چھوٹا ہو یا بڑا ہو، غریب ہو یا امیر ہو، انصاف سب کو ملے گا۔ ظلم کسی پر نہیں ہونے دیا جائے گا۔ ظالم کے بارے میں یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ یہ بہت بڑا ہے، بہت طاقتور ہے اور بہت امیر ہے، اس لیے اسے ظلم کرنے کی کھلی چھٹی ملنی چاہیے، نہیں، اس کا ہاتھ پکڑا جائے گا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«اُنْصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا» (صحیح البخاری: 2443)

اپنے بھائی، یعنی دوسرے انسان اور مسلمان کی مدد کرو، چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم۔

صحابہ نے کہا: جی مظلوم کی مدد کرنے کی بات تو سمجھ میں آتی ہے، لیکن ظالم کی مدد کیا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس کا ہاتھ پکڑو، اسے ظلم سے روکو۔ یہ اس کی مدد ہے اور دنیا میں تکلیفوں سے بچانے کے لیے یہ اس کی مدد ہے کہ اس کا ہاتھ پکڑو، اسے ظلم سے روکو۔“

اسی طرح جہاں تک مساوات کا تعلق ہے، وہ مثالیں آپ کے علم میں ہیں، آپ سنتے رہتے ہیں۔ میں ان میں سے ایک دو دہراتا ہوں۔ خلفائے راشدین کے دور میں مسلمانوں کی جو سلطنت تھی ، ان کے درمیان ایک چھوٹی سی سرحدی ریاست تھی۔ اس کے حاکم کے دل میں اسلام کی محبت پیدا ہوئی۔ یہ سفر کر کے وہاں سے اپنے سینکڑوں ساتھیوں کو لے کے مدینے آگیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اس نے اسلام قبول کر لیا۔ مسلمانوں کے اندر بڑی خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ پانچ سو کے قریب لوگوں کا مسلمان ہونا بہت بڑی بات تھی، خوشی کی بات تھی۔

لیکن اس کے ساتھ بڑی خوشی یہ تھی کہ یہ سرحدی ریاست اگرچہ چھوٹی تھی مگر اس کے باشندے مضبوط لوگ تھے، تو شام کی طرف سے رومی سلطنت کا جو حصہ تھا، اس کی طرف سے مسلمانوں کو حملے ، زیادتی اور جنگ کا خطرہ رہتا تھا۔ تو اب احساس یہ پیدا ہوا کہ یہ حصہ درمیان میں ہو گا تو کچھ نہ کچھ تو انہیں روکے گا اور ہماری مدد کرے گا۔ رومیوں کے لیے مسلمانوں پر حملہ آور ہونے سے یہ چیز ایک رکاوٹ ہو گی، چنانچہ بڑی خوشی منائی گئی۔

اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ میں مسلمان ہو گیا۔ اب میں مکے جاکے، حرم جاکے عمرہ کرنا چاہتا ہوں۔ کہا اچھی بات ہے، جاؤ۔ اس نے احرام کی قیمتی چادریں اوڑھ رکھی تھیں۔ طواف کرتے کرتے اس کی چادر پر کسی دیہاتی عرب بدو کا پاؤں آگیا۔ وہ اس کے پیچھے طواف کر رہا تھا۔ اسے اس بات پہ اتنا غصہ آیا کہ اس نے پلٹ کے اسے تھپڑ مار دیا، تھپڑ آنکھ پہ لگا اور آنکھ کا نقصان ہو گیا۔ وہ فریاد لے کے حاکم وقت کے پاس جا پہنچا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عمرے کے بعد اسے بلایا اور کہا کہ یہ بدو فریاد کر رہا ہے کہ تم نے تھپڑ مار کے اس کی آنکھ کا نقصان کر دیا ہے۔ تم اسے راضی کرو یا بدلہ دو، معافی مانگ لو، یہ معافی قبول کرے تو ٹھیک ہے، ورنہ یہ بھی تمہیں اتنا ہی زور کا تھپڑ مارے گا اور تمہاری آنکھ پر مارے گا تاکہ اس کا بدلہ پورا ہو۔

تو اس نے آگے سے کہا:

"عَيْنُهُ بِعَيْنِيْ؟" (نوادر الخلفاء:213)

یہ کیسی بات ہے؟ ایک بدو اور بادشاہ کی آنکھیں برابر تو نہیں ہو سکتیں۔ میں بادشاہ ہوں، نواب ہوں، امیر اور حاکم ہوں۔ یہ ایک عام سا بندہ ہے، تو اس کی آنکھ اور میری آنکھ میں بڑا فرق ہے۔ میری آنکھ قیمتی ہے۔ اس کی آنکھ کی کیا قیمت؟ لیکن آپ نے فرمایا، ہمارے ہاں بطور انسان عدل و انصاف ہوتا ہے۔ اس میں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ بدو کون ہے اور بادشاہ کون؟

اس پر وہ بگڑ گیا، لیکن اس نے بات دل میں رکھی۔ کہنے لگا کہ اچھا، مجھے مہلت دیں، میں کل تک کوئی فیصلہ کروں گا کہ میں نے کیا کرنا ہے، مہلت ملتے ہی وہ راتوں رات اپنے ساتھی کو لے کے واپس نکل گیا۔ اس نے اسلام بھی چھوڑ دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سب کچھ قبول کر لیا، برداشت کر لیا، لیکن بے انصافی نہیں کی۔ ہماری تاریخ میں ایسی مثالیں بہت ہیں، لیکن میں اس تفصیل میں نہیں جارہا۔

مساوات اور برابری کے لیے اسلام نے ایک ہی

فضیلت کا معیار تسلیم کیا ہے اور وہ ہے تقویٰ، ارشادِ ربانی ہے:

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ﴾ (سورۃ الحجرات:13)

جو زیادہ متقی ہے، وہ زیادہ بہتر ہے، وہ زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی معیار نہیں کہ کوئی مالدار زیادہ ہے، حسین اور خوبصورت زیادہ ہے، قوم قبیلے والا ہے، خاندان والا ہے، گورا ہے یا کالا ہے، جو بھی ہے، اس سے اسلام کے نظام انصاف پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ارشاد ہے:﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ﴾ (سورۃ الحجرات:13)

اور اس کے علاوہ کوئی فضیلت کا معیار نہیں ہے۔ اسلامی معاشرے میں یہ مساوات قائم تھی۔ پھر مساوات کے حوالے سے دوسری بات یہ کہ سب کی بنیادی ضروریات پوری کرنا، یہ اسٹیٹ اور ریاست کی ذمہ داری ہے۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بات مشہور ہے کہ انسان تو انسان، دور عراق میں دریائے دجلہ کے کنارے اگر کوئی کتا، نجس جانور، پلید جانور بھی اگر بھوک سے مرتا ہے تو عمر (رضی اللہ عنہ) اس کے لیے اپنے آپ کو ذمہ دار اور جواب دہ سمجھتا ہے کہ تیری حکومت اور تیری سلطنت میں ایک کتا بھی کیوں بھوکا مرا، بطور حکمران تو نے اس کا انتظام کیوں نہیں کیا؟ یہ وہ معاشرہ تھا اور یہ وہ تعلیم تھی جو اسلام لے کر آیا۔

پھر اقتصادی لحاظ سے بھی اسلام نے یہی دو اصول، عدل واحسان کے مقرر فرمائے۔ اسلام میں انفرادی ملکیت کی اجازت ہے، لیکن اس میں دوسروں پر خرچ کرنا بھی ضروری ہے۔ اس سلسلے میں ایک توز کوۃ ہے، زکوٰۃ کے علاوہ بھی خرچ کرنا ہے۔ آج بھی بعض لوگ زکوۃ کا حساب لگاتے ہیں اور اس کے اندر ہی سے خیرات کرتے ہیں۔ اس سے زیادہ نہیں کرتے۔ ادھر زکوۃ کی رقم ختم ہوئی، ادھر ان کی خیرات ختم ہوئی، ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ جتنے بھی وسائل ہیں ان میں سے زکوۃ اگر نکلتی ہو تو اس کو ادا کر کے اس کے علاوہ بھی صدقہ خیرات کرو۔ اس زکوۃ اور صدقہ و خیرات کے ذریعے سے مال کی آلودگی یعنی مال کمانے اور اسے استعمال کرنے کی گندگی کو دور کیا جاتا ہے۔ جیسے اقبال نے کہا:

کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک صاف
منعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں

اسلام کا تصورِ ملکیت یہ ہے کہ تم مال کے امانت دار ہو، مالک نہیں ہو۔ یہ امانت ہے جو اللہ نے تمہارے سپرد کی ہے۔ جو مال، جو رزق اور جو چیز اللہ نے دی ہے، وہ ایک امانت ہے۔ اس کو اپنے آپ پر خرچ کرنے کی اجازت ہے، بچوں پر خرچ کرنے کی اجازت ہے، لیکن اس میں جو ضرورت مندوں کا، مسکینوں اور حقداروں کا حق بھی ہے، وہ بھی دینا ہے۔

اب یہ دیکھئے کہ سیاسی دائرے میں عدل واحسان کے اصول کس طرح نافذ کیے گئے۔ یہاں 'انصاف سب کے لیے' کا ماحول ملتا ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ کے فرمان سے اس کی بخوبی وضاحت ہو جاتی ہے۔ مدینہ میں چوری کا واقعہ ہو گیا تھا۔ ایک اچھے قبیلے، بنو مخزوم قبیلے سے اچھے خاندان کی عورت، جس کا نام فاطمہ تھا، اس نے چوری کی اور یہ پکڑی گئی۔ ہاتھ کاٹنے کی سزا نافذ کرنے کا اعلان ہوا۔ قبیلے والے سفارش لے کے آگئے کہ جی ساری عمر کا داغ، ہاتھ کٹا ہوا، ہمارے لیے نہیں، پورے خاندان، پورے قبیلے کے لیے بدنامی کا سبب بن جائے گا، کوئی اور سزا دے دیں، یہ سزا نہ دیں، تو نبی کریم ﷺ نے ایک حتمی بات ارشاد فرمائی کہ

« لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا» (صحیح بخاری:3475)

یہ تو فاطمہ بنو مخزوم کی عورت ہے، میری اپنی فاطمہ بھی اگر چوری کرتی تو میں اس کو بھی نہ چھوڑتا، چنانچہ اس امیر اور باوقار قبیلے کی عورت پر بھی ہاتھ کاٹنے کی شرعی سزا نافذ کی جاتی ہے۔

اب ایک دوسرا منظر دیکھیے، بدر کے قیدی آئے ہیں۔ رسیاں باندھ کے انہیں مسجد کے اندر رکھا ہوا ہے۔ ان میں آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ ان کی بھی رسیاں کسی ہوئی ہیں، وہ ذرا تکلیف محسوس کر رہے ہیں۔ یہ دیکھو، صحابی اٹھے اور انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی رسیاں ڈھیلی کرنا چاہیں، تاکہ تکلیف کم ہو۔ آپ کو اپنے چچا سے بڑی محبت تھی اور آپ ان کا بڑا احترام کرتے تھے، لیکن آپ ﷺ نے فرمایا، یا تو سارے قیدیوں کی رسیاں اسی طرح ڈھیلی اور ہلکی کرو یا ان کی بھی اسی طرح رہنے دو، انصاف کا تقاضا یہی ہے۔

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنتے ہیں تو قوم سے خطاب کرتے ہیں کہ

" والضَّعِيفُ مِنْكُمْ قَوِيٌّ عِنْدِي حَتَّى أُزِيحَ عِلَّتَهُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ، وَالْقَوِيُّ فِيكُمْ ضَعِيفٌ حَتَّى آخُذَ مِنْهُ الْحَقَ إِنْ شَاءَ اللَّه." (البداية والنهاية:6/305)

تم میں سے جو کمزور ہیں، وہ اپنے آپ کو کمزور نہ سمجھیں، حکومت کی طاقت ان کے پیچھے اور ان کے ساتھ ہے۔ خلیفہ ان کو ہر ظلم اور ہر زیادتی سے بچائیں گے۔ وہ کمزور نہیں ہیں، حکومت ان کے ساتھ ہے اور جو اپنے آپ کو بڑا طاقتور سمجھتے ہیں، خواہ طاقت دولت کی ہو، طاقت جسم کی ہو یا طاقت منصب کی ہو اور وہ طاقت کے غرور میں، طاقت کے زور میں دوسروں پر ظلم کرنا چاہتے ہیں اور کرتے ہیں، وہ جان لیں کہ حکومت ان کا ہاتھ پکڑنے کے لیے موجود ہے، میں موجود ہوں، میرے نزدیک وہ طاقتور نہیں

ہیں۔ اگر وہ ظالم ہیں تو ان کی طاقت ختم کی جائے گی، توڑ دی جائے گی۔ یہ ہے وہ انصاف جو اسلام نے اس مدنی معاشرے کو فراہم کیا۔ اور پھر آپ ؓ نے فرمایا کہ "أَطِيْعُوْنِي مَا أَطَعْتُ اللهَ وَرَسُوْلَهُ." (البدایۃ والنھایۃ:6/305)

مجھے تم نے حکمران بنایا اور خلیفہ بنایا۔ اب میری اطاعت بھی تم نے کرنی ہے۔ میری بات بھی ماننی ہے، لیکن کب تک؟ جب تک میں خود قرآن وسنت کے دائرے کے اندر رہتا ہوں۔ اللہ کے رسول کی مانتا ہوں، تب تک تم بھی میری مانو۔

"أَطِيْعُوْنِي مَا أَطَعْتُ اللهَ فِيْكُمْ، فَإِذَا عَصَيْتُهُ فَلَا طَاعَةَ لِيْ عَلَيْكُمْ." (البدایۃ والنھایۃ: 305/6)

اگر میں اللہ رسول کی نافرمانی کروں۔ پھر میری اطاعت تم پر لازم نہیں ہے۔ پھر بے شک جو مرضی کرو۔ حضرت عمر ؓ نے بھی اپنے وقت میں یہی کہا تھا، فرمایا تھا: "مَنْ رَأَى مِنْكُمْ فِيّ اِعْوِجَاجاً فَلْيُقَوِّمْهُ." (التفسیر المنیر:4/33)

تم میں سے کوئی بھی میرے اندر اگر کوئی ٹیڑھا پن دیکھتا ہے، غلطی دیکھتا ہے، وہ دیکھتا ہے کہ میں غلط جانب اور غلط طرف جاتا ہوں، تو مجھے سیدھا کریں، میں سیدھا ہونے کے لیے تیار ہوں، مجھ پر تنقید کریں، مجھے سمجھائیں، مجھے سیدھے راستے پر لے کر آئیں تو یہ انصاف کی بات تھی۔ رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں سیاسی دائرے میں انصاف کے علاوہ، آزادی فکر وعمل بھی اسلام کی عطا ہے۔ شریعت کے دائرے کے اندر سوچنے کی اور کام کرنے کی آزادی ہے ۔ایک جوان لڑکی آئی، جوان عورت نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں آکر کہا کہ میرا والد ایسی جگہ شادی کرنا چاہتا ہے، جو مجھے پسند نہیں۔ میں وہاں شادی کرنے کے لیے تیار نہیں۔ لڑکی نے کہا کہ اس معاملے میں، میں صرف یہ دکھانا چاہتی تھی، ثابت کرنا چاہتی تھی کہ اس معاملے میں باپ کو کلی اختیار حاصل نہیں ہے، کہ وہ جدھر چاہے مرضی سے میری شادی کر دے۔ اسے عورت کی مرضی، بیٹی کی مرضی پوچھنی ہوگی، معلوم کرنی ہوگی۔ میں صرف یہ دکھانا چاہتی تھی، اب جدھر اور جہاں باپ کی مرضی ہو وہاں میری شادی کر دے، میں تیار ہوں۔ (صحیح بخاری: 5138) یہ آزادی فکر وعمل ہے جو اسلام نے لوگوں کو بخشی۔

اسی طرح بریرہ ؓا ایک لونڈی تھی۔ اس کے خاوند کا نام مغیث ؓ تھا، وہ بھی غلام تھا۔ بریرہ ؓا کو آزادی ملی تو اس نے کہا کہ اب میں اس غلام کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔ آپ نے صلح صفائی کرنے کی کوشش کی، آپ نے فرمایا: کتنا عرصہ اس کے ساتھ گزارا ہے۔ باقی بھی اس کے ساتھ ہی رہو تو اچھا ہے، اس نے کہا کہ کیا یہ آپ کا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں، میں اس بارے میں حکم نہیں دیتا، بس سفارش کرتا ہوں۔ اس نے کہا: بطورِ حکم نبی ہوتا تو مجھے منظور تھا، مگر سفارش کے معاملے میں میری مرضی ہے، میں مانوں یا نہ مانوں۔ تو اس نے خاوند کو چھوڑ دیا۔ اس نے کہا: میں اس کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔ (صحیح بخاری :456)

یہ آزادی ہے، جو شریعت کے دائرے کے اندر اسلام نے دی۔ پھر سیاسی دائرے میں امانت کی تعلیم دی۔ یہی وجہ ہے کہ خلفائے راشدین بیت المال کو اپنی ذاتی جاگیر اور ذاتی خزانہ نہیں سمجھتے تھے۔ وہ قومی خزانے پر عوام کا اور عام آدمی کا حق تسلیم کرتے تھے اور قومی خزانے کا اپنے لیے استعمال بھی حتی الامکان نہیں کرتے تھے۔ حضرت ابو بکر ؓ نے بیت المال سے معمولی تنخواہ قبول کی اور اس میں سے بھی جب بچت شروع ہوئی تو کہا کہ اسے کم کر دو۔ بڑھانے کا مطالبہ نہیں کیا۔

پھر سیاسی دائرے میں خدمت کا اصول بھی اسلام کا شاندار عطیہ ہے۔ حکومت اور حکمرانوں کے لیے سیدنا عمر ؓ کا جذبۂ خدمت بھی مشعلِ راہ ہے۔ حضرت عمر ؓ کا رات کو گشت کرنا، چل پھر کے مدینہ اور قرب وجوار کے حالات دیکھنا کہ اس وقت کوئی ضرورت مند تو نہیں، کوئی مصیبت میں تو نہیں اور پھر اس کی مصیبت دور کرنا، ضرورت مند کی ضرورت پوری کرنا۔ یہ سب اسلامی نظام کے تحت حکمران کے جذبۂ خدمت کی شاندار مثالیں ہیں۔ اگر ہم انہی اصولوں کو اپنائیں تو آج بھی دنیا کے لیے ہمارا معاشرہ اور ہمارا ملک ایک نمونہ بن سکتا ہے۔ لیکن ہم ان اصولوں سے دور چلے گئے، ہم نے سنہری اصولوں کو چھوڑ دیا، جس کے نتیجے میں ہم زوال اور پستی کا شکار ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان اصولوں کی حقیقت اور ان کی اہمیت کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

☆☆☆

حاجی جلال الدین کو صدمہ

جامع مسجد محمدی کے نمازی حاجی جلال الدین کی بڑی بیٹی 60 سال کی عمر میں وفات پا گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مرحومہ نیک وصالحہ تھیں، پسماندگان میں والدین کے علاوہ 3 بیٹیاں سوگوار چھوڑی ہیں۔ شوہر نامدار کا نام جناب محمد نصیر احمد ہے۔ دعا ہے کہ اللہ کریم مرحومہ کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے۔ آمین

جامع مسجد محمدی میں مولانا عبد الہادی العمری نے نماز جنازہ پڑھائی اور برمنگھم میں تدفین عمل میں آئی۔ احباب واقارب کی کثیر تعداد شریک جنازہ تھی۔

☆☆☆



سیدنا عمر فاروق ؓ کا قبول اسلام اور ہجرت

سیدنا عمر بن خطاب ؓ کی زندگی حکمت، شجاعت، جرأت، فراست اور اعلیٰ اقدار حکومت کی درخشاں مثال تھی۔ صحابی جلیل سیدنا عبد اللہ بن مسعود کی ان کے حق میں شہادت بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ سیدنا عمر بن الخطاب کے قبول اسلام کے ساتھ ہی ہماری حیثیت مضبوط ہوتی گئی۔ بجا طور پر ان کا اسلام فتح و کامرانی کا ذریعہ ثابت ہوا، ان کی ہجرت نصرت و کامیابی اور دور امارت رحمت تھا، ہمارے لیے تو مسجد الحرام میں کھلے عام نمازوں کی ادائیگی بھی ان کے اعلان اسلام کے بعد ہی ممکن ہو سکی۔ (فتح الباری: 545/1؛48/7)

جب تک وہ مکہ مکرمہ میں رہے، اپنے اسلام کا اعلان اور پرچار کرتے رہے اور جب ہجرت کا فیصلہ کیا گیا تو اس وقت کے حالات کے مطابق ہر مہاجر اور عازم سفر کی ممکنہ کوشش ہوتی کہ اس پروگرام کو مخفی رکھا جائے لیکن سیدنا عمر ؓ کا سفر ہجرت بھی اعلان اور اظہار کے ساتھ طے پایا۔

سیدنا علی بن ابی طالب ؓ فرماتے ہیں کہ میرے علم کے مطابق ہر مہاجر نے اپنے سفر کو خفیہ رکھا سوائے عمر بن خطاب ؓ کے، انہوں نے ہجرت کا ارادہ کیا تو تیر اور تلوار سے مسلح ہو کر کعبۃ اللہ کے قریب پہنچے، اطمینان سے طواف کیا، مقام ابراہیم پر دو رکعات ادا کیں، پھر مشرکین کی مجالس کا رخ کیا جو صحن کعبہ کے اطراف مختلف ٹولیوں میں بیٹھے یہ منظر دیکھ رہے تھے، انہیں اپنے پروگرام سے آگاہ اس رعب و دبدبہ سے کیا کہ ان کی ہمتیں جواب دے گئیں اور کہا کہ تمہارے چہرے خاک آلود ہوں جس کی خواہش ہو کہ اس کی ماں اپنے لخت جگر سے محروم ہو جائے اس کی اولاد یتیم ہو اور بیوی بیوہ ہو، وہ مجھ سے حدود حرم کے باہر ملے، ان مشرکین میں سے کسی نے ان کا مقابلہ کرنے یا تعاقب کرنے کی ہمت نہیں کی۔

بلا شک وشبہ بعض اوقات کچھ چیزوں کو مخفی رکھنے میں کچھ حکمتیں پنہاں ہوتی ہیں، تو کبھی ظاہر کرنے میں حالات کے مطابق کچھ مصلحتیں ہوتی ہیں۔ اس کا انتخاب آدمی کی معاملہ فہمی اور دور اندیشی پر مبنی ہوتا ہے۔

تعیین خلیفہ کے سلسلہ میں فاروقی موقف

رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد ایک انتہائی اہم اور حساس مسئلہ مسلمانوں کے امیر کی تعیین کا تھا۔ یہ بہت ہی کٹھن اور نازک معاملہ تھا، اس میں معمولی درجہ کی بے احتیاطی بھی تباہ کن نتائج کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی تھی اور اس غلطی کا خمیازہ تادیر بھگتنا ہوتا۔ سقیفہ بنو ساعدہ میں جہاں مختلف تجاویز زیر غور تھیں، جناب صدیق اکبر ؓ کا غیر متزلزل موقف کہ امارت کے لئے مہاجرین میں سے کسی کو منتخب کیا جائے اور انصار ان کے وزراء اور معاونین ہوں گے۔

اس کے لیے سیدنا عمر ؓ کی فراست اور جرات کام کر گئی کہ ابتدائی مرحلہ میں وہاں موجود صحابہ کی اکثریت نے جناب صدیق ؓ کے ہاتھ پر بیعت کی، پھر جناب صدیق اکبر نے مسجد نبوی میں اعلان عام کیا اور وہاں بیعت عامہ ہوئی، اس بیعت سے پہلے سیدنا عمر ؓ نے تمہیدی گفتگو فرمائی جو حکمت اور مصلحت سے پُر تھی۔ اس میں مقام صدیق ؓ کے متعلق دلنشین اور حقائق سے بھرپور گفتگو کی۔ لوگوں نے جوق در جوق صدیق اکبر ؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ان دونوں موقعوں سیدنا عمر فاروق ؓ کی فہم وفراست اور جرات وبصیرت نمایاں تھی۔

سفر بیت المقدس

یوں تو خلیفہ ثانی سیدنا عمر ؓ کے عہد امارت میں حکمت و مصلحت، دور اندیشی اور معاملہ فہمی کی متعدد مثالیں ہیں۔

ان میں ایک نمایاں مثال ان کی سفر ایلیاء 'بیت المقدس' کی ہے، اس سفر میں عبرت اور بصیرت کے مختلف پہلو ہیں، یہ امیر المومنین کے سفر کا منظر نامہ ہے، جن کے اسم گرامی کی دھاک اس وقت کی عظیم طاقتوں کو سرنگوں کر دی تھی، جن کے نام کی ہیبت سے دشمنان دین پر لرزہ طاری ہو جاتا۔

حرمین شریفین کے بعد اہم ترین خطہ کی باگ ڈور سنبھالنے کے لیے امیر المومنین روانہ ہوئے تو ظاہری شان وزیبائش سے بے نیاز، عجز وانکساری کا نمونہ بن کر عام سی سواری اونٹ پر سوار اور نہایت سادہ لباس زیب تن کئے ہوئے، ایلیاء پہنچنے سے پہلے الجابیہ پہنچے تو وہاں موجود بہی خواہوں نے مشورہ دیا کہ آگے لوگ آپ کے دیدار کے منتظر ہیں، لہٰذا اس علاقہ کے حالات کے مطابق اپنی سواری بدل لیجئے۔ عمدہ سواری اور لباس فاخرہ کا انتظام کر دیا گیا لیکن امیر المؤمنین نے یہ کہہ کر ان کی غلط فہمیاں دور کر دیں کہ کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے اسلام کے سبب عزت بخشی، لہٰذا ہم اپنی اصلی طاقت کے سرچشمہ سے انحراف کر کے مال ومتاع اور دنیا کی رنگینیوں میں اپنی عزت کے متلاشی نہیں ہو سکتے اور اپنے ہی اونٹ پر سوار رہنا پسند کیا اور اپنے ہی لباس کو ترجیح دی۔

نحن قوم أعزنا الله بالإسلام فلا نطلب بغير الله بديلاً

حسن اتفاق کہ اس وقت انہوں نے جو جبہ زیب تن کیا ہوا تھا، وہ پرانا ہونے کی وجہ پیوند زدہ تھا، سیدنا فاروق کے رفیق خاص سیدنا ابوعبیدالجراح رضی اللہ عنہ جو پہلے سے مجاہدین کے ساتھ علاقہ میں موجود تھے، نے ہمت کر کے سفارش کی، اپنے دیرینہ رفیق، اسلام کے سپاہی، عشرہ مبشرہ میں ایک کی سفارش پر سیدنا فاروق نے سرد آہ بھرتے ہوئے حیرانگی سے فرمایا کہ ابو عبیدہ کاش تمہارے بجائے کوئی دوسرا یہ بات کرتا، کیا تمہیں یاد ہے کہ ہم دنیا کی نظروں میں کمزور اور حقیر تھے، عددی قوت میں بھی کم تر لیکن اللہ تعالیٰ نے اسلام کی بدولت تمہیں عزت بخشی، لہٰذا دین میں ہی عزت تلاش کرو، ورنہ تمہیں ذلیل اور رسوا ہونے سے کوئی نہیں بچا سکتا اور پھر اس تواضع وانکساری کے ساتھ بیت المقدس پہنچے، امیر المومنین کا یہ انداز خود کئی غیر مسلم عیسائی ذمہ داران کے لیے باعث اطمینان ثابت ہوا کہ جس شخصیت کے ساتھ معاہدہ طے کرنا ہے اس کی ذات میں ہمیں وہ ساری نشانیاں دکھائی دے رہی ہیں جن کے ہم متلاشی تھے، کسی لڑائی اور مدبھیڑ کے بغیر ہی یہ علاقہ فتح ہو گیا۔

کنیسۃ القیامہ میں اجتماع:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اسی شان بے نیازی کے ساتھ جب یہاں پہنچے، اعیان علاقہ اور سربرآوردہ شخصیات کے ساتھ میٹنگ منعقد ہوئی، آج کا یہ اجتماع کوئی عام اجتماع نہیں بلکہ فاتح قوم مسلمانوں کے امیر کا شکست خوردہ لوگوں کے ساتھ تھا، اس کے لیے سلطنت اسلامیہ کی نہایت اہم شخصیات جمع ہوئی تھیں، عبد الرحمن بن عوف، معاویہ بن ابی سفیان، عمرو بن عاص، خالد بن ولید رضی اللہ عنہم وغیرہ وغیرہ اجتماع کے لیے کنیسہ القیامۃ کا انتخاب کیا گیا، اس چرچ کی نصاری کے ہاں بہت زیادہ اہمیت ہے، ان کے خیال کے مطابق اسی جگہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی دی گئی ان کی نعش تین دن یہاں پڑی رہی پھر اللہ نے انہیں آسمان پر اٹھالیا، اسلامی عقیدہ کے مطابق یہ تصور خود غلط ہے نہ انہیں پھانسی دی گئی اور نہ ہی قتل کیا گیا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے محفوظ حالت میں اٹھالیا:

﴿وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلَٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ﴾ (سورۃ النساء:157)

بہر حال نصاریٰ کے ہاں یہ بہت ہی مقدس چرچ ہے۔ دوران میٹنگ جب نماز کا وقت آیا تو امیر المؤمنین نے باہر نکل کر ایک جگہ نماز ادا کی، اس وقت وہاں ایک مسجد 'مسجد عمر' ہے۔ اس میں حکمت یہ تھی کہ بعد میں مسلمان اس چرچ پر اپنا حق نہ جتائیں کہ ان کے امیر نے یہاں نماز ادا کی، یہیں پر وہ تاریخی دستاویز لکھی گئی۔ جو اسلامی رواداری، عفو ودرگزر، مروت اور رحمدلی کی تابناک مثال ہے کہ فتح ونصرت طاقت اور حکومت کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین نے مغلوب اور محکوم قوموں کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ اس معاہدہ کو جسے 'العهدة العمرية" کہا جاتا ہے، ایک نقل مسجد عمر کی دیوار پر نصب ہے، پھر اس معاہدہ پر مذکورہ صحابہ کرام کے بطور گواہ کے دستخط لیے گئے، اس سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی معاملہ فہمی اور دور اندیشی واضح ہو رہی ہے کہ بعد ان شکست خوردہ لوگوں کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی کا اندیشہ نہ رہے۔

شخصی آزادی اور مساوات

عدل فاروقی کی چہار دانگ عالم شہرت تھی، عدل وانصاف کا پیمانہ اتنا متوازی اور درست تھا کہ اس میں نہ کسی شخص کو امتیاز حاصل تھا اور نہ ہی کسی کا جاہ و منصب خلل انداز ہو سکتا، وسیع وعریض سلطنت اسلامیہ میں ہر شخص کو آزادی حاصل تھی، ہر ایک کے لیے مساوی مواقع حاصل تھے۔ امیر المؤمنین تک ہر ایک کی رسائی آسان تھی۔

ایک تاریخی واقعہ کے ذریعہ بہت سے اہم نکات سمجھے جاسکتے ہیں۔ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جو شجاعت و بہادری میں ضرب المثل اور حسن انتظام میں نادر المثال تھے۔ فاتح مصر اور حکمران تھے، ان کے دور اقتدار میں نوجوانوں کے درمیان کشتی اور گھوڑ سواری کے مقابلے ہوا کرتے ایک مرتبہ ان کے اپنے فرزند کے مقابلہ میں عام سا نوجوان سبقت لے گیا، اس شکست کے خلاف فرزند گورنر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کچھ کبیدہ خاطر ہو کر اس پر حملہ کر دیا، اس غیر متوقع اور غیر منصفانہ حملہ پر بازی جیتنے والا جوان بجائے اس کے کہ مقامی عدالت یا گورنر کے سامنے شکایت کرتا۔ مرکزی عدالت عظمی مدینہ منورہ پہنچ کر امیر المؤمنین سے شکایت کی۔ اگرچہ کہ یہ علاقہ کا معمولی سا واقعہ تھا۔

اس شکایت کا ازالہ مقامی طور پر بھی ممکن تھا لیکن امیر المؤمنین نے اس کی تلافی کے لیے جو اسلوب اختیار کیا وہ وسیع سلطنت کے تمام کارندوں کے لیے سبق آموز تھا اور اس کے ساتھ ہی اس واقعہ میں فاروقی قوت و سطوت کی شان بھی نمایاں ہے کہ اپنے کارندوں اور عمائدین سلطنت پر فاروقی گرفت کتنی مضبوط تھی، امیر المومنین نے مدعی علیہ نوجوان محمد بن عمرو بن العاص کو گورنر سمیت دار الحکومت طلب کیا، جب وہ پہنچے تو مجمع عام میں مدعی سے واقعہ دریافت کیا، جرم ثابت ہونے پر کہ ابن الاکرمین، نجیب الطرفین اور عالی حسب و نسب شہزادہ محمد کو اسی عام نوجوان سے سزا دلوائی اور اس موقع پر یہ تاریخی جملہ کہا کہ

جو مختلف مناسبتوں سے نقل کیا جاتا ہے۔:

من استبعدتم الناس وقد ولدتهم أمهاتهم أحرارا

لوگوں کو غلام بنانے کا اختیار تمہیں کس نے دیا ہے، جبکہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد جنم دیا ہے۔



علم حاصل کرنے والے کو 'طالب علم' کہتے ہیں، علم کا طلب کرنے والا، جدوجہد کرتا ہے اور قربانیوں سے گزرتا ہے، عاجزی، انکساری، کفایت شعاری اور جفاکشی کے بغیر علم کا حاصل کرنا ناممکن ہے، قدیم زمانے میں علم حاصل کرنے کے لئے لوگ ہزاروں میل کا سفر، پیدل، گھوڑوں، گدھوں اور خچروں، اونٹوں پر کیا کرتے تھے، نہ بھوک کی پرواہ تھی اور نہ پیاس کی پرواہ تھی، علم حاصل کرنے کی صرف لگن تھی۔ ایسے بہت سے تفصیلی واقعات ہیں جس کو ذکر کیا جاسکتا ہے۔

علم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ہے اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے علم کی نعمت سے سرفراز فرماتا ہے، تمام علوم کے خزانے اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں، اسی لئے علم کے حاصل کرنے میں اخلاص اور للّٰہیت ضروری ہے، قرآن مجید علم کا سرچشمہ ہے اور احادیث نبوی اس علم کی عملی تفسیر ہے۔ تمام علوم وفنون کے جوار بھاٹے قرآن مجید ہی سے پھوٹتے ہیں، اسی لئے حصول علم کی راہوں کو قرآن مجید اور سنت مطہرہ نے ہموار کیا ہے۔

علم کیسے حاصل ہوتا ہے؟

اس کی رہنمائی رسول اللہ ﷺ نے کی ہے، جب تک کہ طالب علم ان طریقوں اور اصولوں کو نہیں اپنائے گا وہ کبھی بھی کامیاب طالب علم ثابت نہیں ہوگا ایک وہ زمانہ تھا جب کہ علوم وفنون میں مسلمان شہسوار تھے، ہر علم کے موجد مسلمان گزرے ہیں، خصوصاً سائنس وٹیکنالوجی اور علم حساب کی ابتداء وترتیب مسلمانوں کا کارنامہ ہے کیونکہ وہ مخلص بھی تھے اور رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے اصولوں پر گامزن تھے۔ لیکن اس زمانے میں مسلمان تعلیم کے ہر شعبے میں انتہائی پسماندہ ہوگئے ہیں کیونکہ اخلاص وللّٰہیت ختم ہو چکی ہے، اور وہ حصول علم کے میدان میں رسول اللہ ﷺ کے اصولوں سے ہٹ چکے ہیں۔ طالب علم کے لئے جو ضروری اصول رسول اللہ ﷺ نے بتائے ہیں ہم اسے پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

حصول علم فریضہ ہے

طالب علم کو اس بات کا علم ہونا ضروری ہے کہ علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان کے لئے فریضہ ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«طَلَبُ العِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ»

"علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔" (مشکوۃ المصابیح:218)

جس طرح نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج فرائض میں داخل ہیں، اسی طرح علم کا حاصل کرنا فرض ہے، طالب علم کو چاہئے کہ وہ فریضہ سمجھتے ہوئے علم حاصل کرے۔

حصول علم کی اہمیت کا اندازہ اس حدیث مبارکہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ

«اغْدُ عَالِماً أَوْ مُتَعَلِّما وَلا تَغْدُ فِيْمَا بَيْنَ ذَالِكَ فَإِنّ مَابَيْنَ ذَالِكَ جَاهِلٌ»

"یا تو عالم بنو، یا طالب علم بنو اس کے علاوہ کسی اور حالت میں نہ رہو گے، کیونکہ اس کی درمیانی حالت جاہل کی حالت ہے۔" (سنن دارمی:343)

لیکن آج کا مسلمان طالب علم، حصول علم کو ماں باپ کی، اساتذہ کی زبردستی سمجھتا ہے اور اسکول ومدرسہ اور کالج ویونیورسٹی کو وقت گزاری کا اڈہ سمجھتا ہے، اس لئے اسے علم حاصل نہیں ہورہا ہے۔ وہ ڈگری لے کر بھی بے علم ہے اور اس کے علم میں پختگی و استقامت نہیں ہے۔ لیکن صحابہ کرام ایسے طالب علم تھے جن میں اخلاص وللّٰہیت پائی جاتی تھی، انسان قبر کی لحد تک طالب علم ہی رہے گا۔

لسانیات کی اہمیت

مدینہ ہجرت کے بعد جب اسلامی انقلاب کا زمانہ آیا اور رسول اللہ ﷺ نے دیگر بادشاہوں اور اقوام کو اسلامی دعوت کے لئے خطوط لکھنا شروع فرمایا تو آس پاس کے علاقوں کی زبانیں مختلف تھیں، عربی زبان کے علاوہ عبرانی زبان کا بول بالا تھا، رسول اللہ ﷺ اپنے ایک صحابی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم دیتے ہیں کہ

"وہ عبرانی زبان لکھنا، پڑھنا سیکھ لیں اور فرمایا کہ مجھے یہودیوں پر اعتبار نہیں۔"

حضرت زید رضی اللہ عنہ نے تھوڑی سی مدت میں عبرانی زبان لکھنا پڑھنا سیکھ لیا۔ لیکن آج کا مسلمان طالب علم کسی بھی زبان میں پختہ نظر نہیں آتا، عربی سے واقفیت تو 90 فیصد طالب علموں کو نہیں ہے، اسی طرح مادری زبان اردو سے لاتعلقی وبیزارگی پائی جاتی ہے، انگریزی میڈیم سے پڑھنے اور پڑھانے کا شوق تو ہے لیکن 60 فیصد طالب علم اس میں پختہ نہیں، علاقائی زبان تو 99 فیصد نہیں جانتے، اس کا سبب یہ ہے کہ ان میں علم حاصل کرنے کی جدت واشتیاق نہیں ہے۔

طالب علم مجاہد فی سبیل اللہ ہے

ہر مسلمان طالب علم کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ علم کا حاصل کرنے والا اللہ کے راہ میں جہاد کرنے والے مجاہد کی طرح ہوتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ خَرَجَ فِي طَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِي سَبِيْلِ اللهِ حَتَّى يَرْجِعَ»(جامع ترمذی:2647)

"جو شخص علم حاصل کرنے کے لئے سفر کرتا ہے، تو وہ واپس آنے تک اللہ کی راہ میں رہتا ہے۔"

حصول علم کی جدوجہد گناہوں کا کفارہ

اسی طرح ایک اور حدیث میں طالب علم کو یہ کو شخبری سنائی گئی ہے کہ حضرت سخبرہ ازدی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ كَانَ كَفَّارَةً لِمَا مَضَى»

"جو شخص علم حاصل کرتا ہے تو یہ اس کے سابقہ گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔" (جامع ترمذی: 2648؛مسند دارمی: 567،ضعیف)

یہ ایسا طالب علم ہے جس کا مقصد علم حاصل کر کے اللہ کے بندوں کی خدمت کرنا ہے، علم حاصل کر کے اللہ کے دین کی خدمت کرنا ہے، علم حاصل کر کے مسلمانوں کا سہارا بننا ہے، اس مقصد کے لئے وہ دور دراز ہاسٹلوں میں رہتا ہے، دور دراز کی یونیوسٹیوں میں پڑھنے کے لئے جاتا ہے، کھانے پینے کی صعوبتیں برداشت کرتا ہے، والدین اور رشتے داروں سے دور اور ان کی غم وخوشی کی پرواہ نہیں کرتا، ایسے طالب علم کا اللہ محافظ ہوتا ہے۔

حصول علم کے لئے سفر

عہد صحابہ اور عہد تابعین و تبع تابعین اور اس کے بعد کے عہد میں لوگ حصول علم کے لئے دور دراز کا سینکڑوں میل کا سفر کیا کرتے تھے، اپنے علاقوں کو چھوڑ کر دوسرے ممالک کا سفر کیا کرتے تھے اور علم حاصل کرتے تھے اور ایک ایک حدیث کو جمع کرتے، جس کے سبب احادیث اور تاریخ کا ذخیرہ جمع ہوا۔ اور پانچ لاکھ نفوس کی سوانح حیات محفوظ کی گئی۔

حدیث میں ہے، حضرت قیس بن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: "ایک آدمی مدینہ منورہ سے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، جو کہ دمشق میں تھے، انہوں نے اس سے پوچھا: میرے بھائی! تم یہاں تک کس چیز کے لئے آئے ہو؟ اس نے کہا: ایک حدیث شریف سیکھنے کے لئے یہاں آیا ہوں! مجھے پتہ چلا ہے کہ تم (نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے سیکھا ہے) رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہو۔ سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تم تجارت کرنے کے لئے تو یہاں نہیں آئے ہو؟ اس نے کہا: جی نہیں، تو ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا: کسی اور ضرورت کی تکمیل کے لئے تو نہیں آئے ہو؟ اس شخص نے کہا جی نہیں! ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا: تو تم صرف ایک حدیث رسول سیکھنے کے لئے یہاں تک آئے ہو۔ اس نے کہا: جی ہاں!۔" (مسند احمد 22085) (یہاں ہم نے روایت کو مختصر بیان کیا پیچھے یہی روایت مکمل آئے گی)

دمشق، ملک شام میں واقع ہے، مدینہ سے اس کی مسافت تقریبا 600 کیلو میٹر کی پر ہوگی۔ اتنی دور جا کر علم حاصل کرنا اور نامساعد حالات میں بہت بڑی بات تھی، اسی لئے ایسے طالب علموں کے لئے یہ خوشخبری سنائی گئی ہے۔ ان لوگوں کی محنتوں ہی سے اسلام کی تاریخ محفوظ ہوئی، محدثین کا سب سے بڑا کمال یہی ہے کہ انہوں نے اسماء الرجال میں پانچ لاکھ لوگوں کی تاریخ اور سیرت کو محفوظ کیا ہے، کسی بھی مذہب کے پیروکاروں نے ایسا کارنامہ انجام نہیں دیا، اسی لئے ان مذاہب کی حقیقت سوائے داستان کے اور کچھ نہیں۔ قرآن وسنت، اسلامی تاریخ اور سیرت کے تحفظ کے لئے یہ قربانیاں آج بھی دی جارہی ہیں، تاکہ قیامت تک ان ساری چیزوں کا تحفظ ہوسکے۔

لیکن آج کا طالب علم جب گھر سے دور علم حاصل کرنے کے لئے جاتا ہے تو وہ بالکل آزاد اور اوباش ہو جاتا ہے۔ ماں باپ کی تمناؤوں کا گلا گھونٹ دیتا ہے، اس لئے امت کو کوئی قابل نوجوان نہیں ملتا جو قوم کی امیدوں کو پورا کرسکے۔

حصول علم کا مقصد

طالب علم کو چاہئے کہ وہ حصول علم کے مقصد کو اپنے پیش نظر رکھے، حصول علم کا مقصد اپنے آپ کو قابل بنانا ہے اور اس علم کو انسانیت کے حق میں نفع بخش بنانا ہے اور جو کچھ سیکھا ہے، وہ دوسروں کو سکھانا ہے۔ اگر کوئی مسلمان غرور و تکبر اور اترانے اور مقابلہ آرائی کے لئے، ایک دوسرے کو کم تر و برتر ثابت کرنے کے لئے علم حاصل کرتا ہے تو وہ علم اس کے لئے فائدہ مند ثابت نہیں ہوگا، سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ طَلَبَ العِلْمَ لِيُجَارِيَ بِهِ الْعُلَمَاءَ، أَوْلِيُمَارِيَ بِهِ السُّفَهَاءَ أَوْيَصْرِف بِهِ وُجُوْهِ النَّاسِ أَدْخَلَ اللهُ النَّارَ»(جامع ترمذی:2654)

"جو شخص علماء سے مناظرہ (مقابلہ ومجادلہ) کرنے کے لئے، نادانوں کو شبہات میں مبتلاء کرنے کے لئے اور لوگوں کی توجہ حاصل کرنے کے لئے علم حاصل کرتا ہے تو اللہ اسے جہنم میں داخل فرمائے گا۔"

کسی بھی شعبہ میں علم حاصل کرنے والے کے لئے یہ نصیحت ہے، چاہے وہ دین کی تعلیم حاصل کرنے والا ہو یا کوئی ڈاکٹر انجینئر بن رہا ہو، یا کوئی سائنٹسٹ بن جائے، ہر کسی کو یہ حدیث پیش نظر رکھنا چاہئے۔ عموماً لوگوں نے علم کی تقسیم کر لیا ہے، دینی علم و دنیوی علم، حالانکہ ہر علم کا آبشار قرآن مجید وسنت رسول ہے، ہر علم امت مسلمہ کے لئے ناگزیر ہے، اس لئے یہ تعلیمات تمام علوم کا احاطہ کرتی ہیں۔

اسی طرح علم حاصل کرنے کا مقصد باطل اور غلط افکار و نظریات پر مبنی نہ ہو جو انسانیت کے لئے نقصان دہ ثابت ہو یا اقوام وملل کی تہذیب وتمدن وثقافت کو تباہ و تاراج کر دے، فحش و منکرات اور بے حیائی کے فروغ کا سبب بن جائے، حلال و حرام کی تمیز کو ختم کر دے اور انسانیت کو ایک اللہ کی عبادت سے غافل کر کے بندوں کو بندوں کا غلام بنادے، بت پرستی کا سبب بن جائے۔ جس طرح آج مغربی دنیا کر رہی ہے، ایسے علم کے لئے جہنم کی خبر سنائی گئی ہے، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ طَلَبَ العِلْمَ لِغَيْرِ اللهِ، أَوْ أَرَادَ بِهِ غَيْرَ اللهِ، فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ»

"جس شخص نے غیر اللہ کے لئے علم حاصل کیا، یا اللہ کے علاوہ غیر اللہ کی رضامندی چاہی تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے۔" (سنن ابن ماجہ:258)

حصول علم کے لئے محنت وجدوجہد:

طالب علم کو چاہئے کہ حصول علم کی راہ میں محنت و جدوجہد جاری رکھے اور پوری لگن اور محنت کے ساتھ علم حاصل کرے، وہ جس مقصد کے لئے بھی علم حاصل کرے، اسے مخلص ہونا چاہئے، کیونکہ مقاصد کی تکمیل انسان کے اختیار میں نہیں ہے، بلکہ اللہ نے ہر آدمی کی تقدیر میں لکھ رکھا ہے اور تقدیر کا جاننے والا صرف اللہ ہی ہے، کیونکہ علم کے ذریعہ سے روزی نہیں ملتی، روزی تو اللہ کے اختیار میں ہے، جس پر چاہے کشادہ کرے اور جس پر چاہے تنگ کرے، لیکن علم انسان کو فضیلت عطا کرتا ہے، علم کے سبب انسان باوقار بن جاتا ہے، علم انسان کو انسان بناتا ہے، علم انسان میں تمیز پیدا کرتا ہے۔ علم حاصل کرنے والے کو اللہ تعالیٰ اجر عطا فرماتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ طَلَبَ العِلْمَ فَأَدْرَكَهُ كَانَ لَهُ كِفْلَانِ مِنَ الْأَجْرِ فَإِنْ لَمْ يُدْرِكْهُ كَانَ لَهُ كِفْلٌ مِنَ الآخرِ» "جو شخص علم تلاش کرے اور اسے پالے تو اس کے لئے دو اجر ہیں اور اسے نہ پاسکے تو اس کے لئے ایک اجر ہے۔" (سنن دارمی:342)

طالب علم کے لئے بشارتیں

طالب علم کے لئے بڑی خوشخبریاں سنائی گئی ہیں، سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو میں نے یہ فرماتے ہوئے سنا:

«مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَطْلُبُ فِيْهِ عِلْماً سَلَكَ اللهُ بِهِ طَرِيقًا إِلَى الجَنّة، وَإِنّ المَلائِكَةَ لَتَضَعُ أَجْنِحَتَهَا رِضَا لِطَالِبِ العِلْمِ، وَإِنَّهُ لَيَسْتَغْفِرُ لِلْعَالِمِ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ حَتّى الحِيْتَانَ فِي المَاءِ»

"بیشک جو آدمی علم حاصل کرنے کے لئے کسی راستے میں نکلتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے راستے پر چلا دیتا ہے اور بے شک فرشتے طالب علم کی خوشنودی کے لئے اپنے پر بچھا دیتے ہیں اور زمین و آسمان کی ساری مخلوق عالم (علم حاصل کرنے والے) کے لئے بخشش کی دعائیں کرتی ہیں حتی کے پانی کے اندر مچھلیاں بھی۔" (مسند احمد:22058)

اسی طرح ایک اور حدیث شریف میں ہے، حضرت زر بن حبیش بیان فرماتے ہیں کہ میں حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، انہوں نے پوچھا: کس لئے آئے ہو؟ میں نے کہا: "علم حاصل کرنے کے لئے" صفوان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، میں رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

«مَا مِنْ خَارِجٍ خَرَجَ مِنْ بَيْتِهِ فِي طَلَبِ العِلْمِ إِلَّا وَضَعَتْ لَهُ المَلَائِكَةُ أَجْنِحَتَهَا رِضًا بِمَا يَصْنَعُ» (سنن ابن ماجہ:226)

"جو شخص اپنے گھر سے علم حاصل کرنے کے لئے نکلتا ہے تو فرشتے اس کے اس عمل سے خوش ہو کر اس کے لئے اپنے بازو بچھا دیتے ہیں۔"

حصول علم کے لئے دعا

مسلمان طالب علم کے لئے ضروری ہے کہ وہ حصول علم کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعائیں کریں، کیونکہ علم اللہ تعالیٰ کا نور ہے اور اللہ کا نور گنہگاروں کو نہیں دیا جاتا ہے، نفع بخش علم اللہ سے طلب کرنا چاہئے، سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا کیا کرتے تھے: «اَللّٰهُمّ اِنّي اَعُوْذُبِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ وَقَلْبٍ لَا يَخْشَعُ وَدُعَاءٍ لَا يُسْمَعُ وَنَفْسٍ لَا تَشْبَعُ ثُمّ يَقُوْلُ : اَللّٰهُمّ اِنّي اَعُوْذُبِكَ مِنْ هٰؤُلَاءِ الْأَرْبَعِ»

" اے اللہ! میں تیری پناہ میں آتا ہوں ایسے علم سے جو نفع نہ دے، ایسے دل سے جس میں (اللہ کا) ڈر نہ ہو، ایسی دعا سے جو سنی نہ جائے (قبول نہ کی جائے) اور ایسے نفس سے جو سیر نہ ہو۔" پھر فرماتے ہیں: "اے اللہ! میں ان چاروں چیزوں سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔" (سنن نسائی: 5472)

اسی طرح ایک اور دعا بھی سکھائی گئی ہے:

«اَللّٰهُمّ إِنِّي أَسْئَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا وَرِزْقًا طَيِّبًا وَعَمَلًا مُتَقَبّلاً» (سنن ابن ماجہ:925)

"اے اللہ! میں تجھ سے نفع بخش علم، پاکیزہ روزی اور مقبول عمل کا سوال کرتا ہوں۔"

لیکن ہمارے طالب علموں میں عبادت کا شوق کہاں ہے؟ وہ تو فلم بینی، ٹک ٹاک، اور واٹس اپ، و نیز عشق و معاشقہ کے غلام بنے ہوئے ہیں، انہیں دعا کرنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ اللہ ہماری نسلوں کو توفیق عطا فرمائے، اللہ ان میں عبادات کا شوق پیدا فرمائے۔ (آمین)

اضافہ علم کے لئے سوالات کرنا

طالب علم کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے استاذ سے

اس بات کے بارے میں سوال کرے جو وہ نہیں جانتا، اپنے اس سبق کے بارے میں سوال کرے جو اسے سمجھ میں نہ آتا ہو، سوال کرنے سے علم بڑھتا ہے اور معلومات میں اضافہ ہوتا ہے، ہر استاذ یہی چاہتا ہے کہ طلباء اس سے سوال کریں، لیکن ہمارے طلباء وطالبات سوالات کرنے سے کتراتے ہیں، اکثر طالب علم سوال کرنا مناسب نہیں سمجھتے، یا تو وہ شرما جاتے ہیں یا توبے توجہی برتتے ہیں۔

حضرت سعید بن یزید فرماتے ہیں کہ حضرت عکرمہ نے فرمایا:

مَالَكُمْ لَا تَسْأَلُونَنَا أَفَلَسْتُمْ

"تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ تم ہم سے سوال نہیں کرتے؟ کیا تم طالب علم نہیں ہو؟۔" (مصنف ابن ابی شیبہ 26940)

طالب علم اور سادگی: طالب علم کے لئے ضروری ہے کہ وہ سادگی اور تواضع اختیار کرے، شان و شوکت اور عیش پسندی طالب علم کو غافل بنا دیتی ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

رَأَيْتُ سَبْعِيْنَ مِنْ أَهْلِ الصُّفَةِ مَا مِنْهُمْ رَجُلٌ عَلَيْهِ رِدَاءٌ، إِمَّا بُرْدَةٌ وَإِمَّا كِسَاءٌ ، قَدْ رَبَطُوْهَا فِي حنَاقِهِمْ ، فَمِنْهَا مَا يَبلَغُ نِصْفَ السَّاقِ، وَمِنْهَا مَا يَبْلُغُ الكَعْبَيْنِ، فَيَجْمَعُهُ بِيَدِهِ كَرَاهِيَةَ أَنْ تَبْدُ وَ عَوْرَتُه

"میں نے صفہ کے ستر طالب علموں کو دیکھا، ان میں سے کسی کے پاس بھی چادر نہ تھی، سوائے دھاری دار چادر کے، یا موٹے کمبل کے اور اس کو انہوں نے اپنی گردنوں میں باندھا ہوتا، ان میں سے کچھ کے ٹخنوں تک، وہ کپڑے کو اپنے ہاتھ کے ساتھ اکٹھا کر لیتے تا کہ ستر نہ کھل جائے۔" (سنن کبریٰ للبیہقی : 3303)

لیکن موجودہ زمانے کے طالب علم صرف عیش پسندی، گاڑی، بیک، کار، قیمتی کپڑے، ہوٹل بازی، پارٹی بازی، دولت کا اسراف، فلم بینی، میں پڑے ہوئے ہیں اسی لئے تعلیم کے میدان میں پیچھے نظر آتے ہیں۔ انکی دلچسپی حصول علم میں کم نظر آتی ہے۔

استاذ کا ادب

طالب علم کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے اساتذہ کا ادب واحترام کرے، جب تک وہ اساتذہ کا ادب و اکرام نہ کریں گے، انہیں علم حاصل نہیں ہو گا کیونکہ استاذ روحانی والد کا مقام رکھتا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام سے علم سیکھنے کا حکم دیا تو وہ خضر کو تلاش کر کے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نہایت ہی اکرام وادب سے عرض کیا:

﴿هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَى أَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْداً﴾

"کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں یا آپ کے پیچھے پیچھے چل سکتا ہوں تا کہ آپ مجھے اس علم و دانش کی تعلیم دیں جو آپ کو سکھائی گئی ہے۔" (سورۃ الکھف:66)

امام ذہبی رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں:

"جب عبد الرحمن بن مہدی رحمہ اللہ حدیث کا سبق پڑھاتے رہے ہوتے تو ان کے شاگرد اور طلباء ایسے بیٹھے ہوتے جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں یا جیسے وہ نماز میں مشغول ہوں، اسی طرح احمد بن سنا رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں کہ عبد الرحمن بن مہدی کی مجلس میں لوگ اس قدر انہماک سے بیٹھے ہوتے کہ نہ کوئی مسکراتا، نہ کوئی کھڑا ہوتا حتیٰ کہ کوئی قلم کی بھی آواز پیدا نہ ہونے دیتا اور اس طرح سبق کی طرف متوجہ ہوتے کہ جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں اور اگر کسی کو مسکراتا یا بات کرتا دیکھ لیتے تو جوتا پہنتے اور مجلس سے اٹھ کر چلے جاتے۔" (السیر : 201-202)

محمد بن محمد الخادی استاذ کے ادب واحترام کے متعلق بیان فرماتے ہیں کہ

"میری رائے میں استاذ کا حق تمام حقوق سے بڑھ کر ہے اور اس کا پاس ولحاظ رکھنا ہر مسلمان پر واجب ہے۔" اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَيْسَ مِنْ أُمَّتِي مَنْ لَمْ يُجِلّ كَبِيْرَنَا، وَيَرْحَمْ صَغِيْرَنَا، وَيَعْرِفْ لِعَالِمِنَا» (صحیح الترغیب:101)

"وہ شخص میرا امتی ہی نہیں جو بڑوں کی عزت نہ کرے اور عالم کا حق نہ پہچانے۔"

لیکن آج کے طالب علموں میں استاذ کا ادب کہاں؟ استاذ کا مذاق اڑانا، جماعتوں میں ہنسی مذاق، اساتذہ کو برے القاب سے پکارنا، اساتذہ کو مارنا، گویا طلباء اساتذہ کو نوکر و غلام سمجھتے ہیں، آج کل تو طلباء کی ایک بری عادت یہ ہو چکی ہے کہ اگر کوئی استاذ کسی طالب علم کو سزا دے تو وہ اس استاذ کے خلاف گروپ بنا کر سڑکوں پر پٹائی کرتے ہیں، کیا اس طرز عمل سے علم حاصل ہو گا؟ مسلمان طالب علم کو چاہئے کہ وہ اپنے اساتذہ کی عزت واحترام کرے کیونکہ ہمارے نبی ﷺ نے اس کی تعلیم ہمیں دی ہے۔

وقت کی پابندی

طالب علم کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے اوقات کا پاس ولحاظ رکھے وقت کو ضائع نہ کرے، بلکہ صبح سویرے نیند سے بیدار ہو اور اپنے اسباق کو یاد کرے، اگر طالب علم وقت کی قدر نہیں کرے گا تو وقت بھی اس کی قدر نہیں کرے گا، امام شعبہ رحمہ اللہ سے کسی نے پوچھا کہ " آپ نے کیسے علم حاصل کیا؟ " تو انہوں نے جواب دیا کہ

" بِنَفْيِ الاعْتِمَادَ، وَالسَّيْرُ فِي البَلَادِ، وَصَبْرٌ كَصَبْرِ الحِمَارِ، وَبُكُوْر كَبُكُوْرِ الغُرَاب"

"خود پر اعتماد نہ کرنے، مختلف شہروں کا سفر کرنے، گدھے کے صبر کی طرح صبر کرنے، اور کوے کی طرح صبح سویرے جاگنے سے۔" (الرحلة في طلب الحديث:196)

ہمارے طالب علم بالکل الٹے ہیں وہ رات بھر جاگتے ہیں اور عین اسکول کے وقت اٹھتے ہیں، نہ ہوم ورک پورا کرتے ہیں اور نہ سبق کی یاد دہانی مکمل ہوتی ہے، کوئی ٹائم ٹیبل ان کے پاس نہیں ہے اور نہ والدین اس جانب توجہ دیتے ہیں، دعوتوں اور ناچ گانوں کے شوق نے انہیں تعلیم سے غافل کر دیا ہے، جس کے سبب عین امتحانات کے وقت پریشان حال نظر آتے ہیں، چیٹنگ کا سہارا لیتے ہیں اور بدنام ہو جاتے ہیں۔

حضرت عطا ابن ابی رباح رحمہ اللہ ایک بڑے اور عظیم محدث وفقیہ گزرے ہیں جن کے متعلق ان کی سیرت میں آتا ہے کہ انہوں نے اپنے اوقات کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا اور اپنے اس منقسم وقت کے ساتھ وہ انصاف کرتے تھے اسے ضائع نہیں کرتے تھے، بالآخر مکہ کے فقیہ ہوئے جن کے علم و اجتہاد پر حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی فخر کرتے تھے۔

آخیر میں مسلم مینجمنٹ کے مدارس، اسکولز، اور کالجز و جامعات کے ذمہ داران سے گزارش کرتے ہیں کہ ہماری نسلوں کی اخلاقی تربیت کے لئے اپنے علماء، ائمہ، مشائخین کو کم از کم ہفتہ واری سطح پر مدعو کریں اور ان کی تقاریر، وعظ و لکچرز منعقد کریں اور بچوں کو آداب اسلامی، اخلاقیات کی تعلیم و تربیت دیں شاید کہ کچھ اصلاح ہو جائے، جہاں کلچرل پر گرومز رکھے جاتے ہیں، ناچ گانے کے پروگرام منعقد ہوتے ہیں، جو کسی بھی طرح مسلم مینجمنٹ کے لئے سزاوار نہیں، لیکن اپنی نسلوں کے مستقبل کے لئے یہ کام ضرور کریں۔ یہ نہ سمجھیں کہ اسکول ہماری تجارت ہے، بلکہ یہ جان لیں کہ جن مسلم بچوں کا مستقبل آپ کے ہاتھوں میں ہے، اللہ اس کے متعلق سوال کرنے والا ہے، وہاں ہم سوال سے نہیں بچ سکتے، جہاں تک بچوں کے اخلاق بگاڑ کا سوال ہے، اس کے ذمہ دار کسی حد تک اسکول و مدارس بھی ہیں جو اس جانب توجہ نہیں دے رہے ہیں۔ اللہ تعالی ہمارے طالب علموں کو شعور عطا فرمائے، ہماری نسلوں کو علم کی بلندیوں پر فائز فرمائے۔ (آمین)

نعت

اب اپنے لیے بیش نہ کم آپؐ کے ہوتے
دیکھیں گے کسی اور نہ ہم آپ کے ہوتے
گزرے نہ قیامت میں قیامت کوئی ہم پر
ٹوٹے نہ کہیں اپنا بھرم آپ کے ہوتے
ہم اور فقیروں کو بھلا شاہ کہیں گے!
اے شاہِ امم شاہِ امم آپ کے ہوتے!
ہم سے کبھی ہو گی نہیں تقلید کسی کی
سر ہو گا کہیں اور نہ خم آپ کے ہوتے
گردن میں کوئی طوقِ غلامی نہیں رکھتے
ہم آپ کے سرتابہ قدم آپ کے ہوتے
ہیں آپ اگر ساتھ تو پھر ساتھ ہے سب کچھ
کیا چیز ہیں کیخسرو وجم آپ کے ہوتے
کہتے ہیں سکینت جسے حاصل ہے دلوں کو
آنکھیں کبھی ہوتی نہیں نم آپ کے ہوتے
اپنے لیے بے فیض ہے کوئی ہو کہ صوفی
آنکھوں میں عرب ہے نہ عجم آپ کے ہوتے
ہم خیر نہ لکھیں گے کسی کا بھی قصیدہ
ہو گا نہ سبک سار قلم آپ کے ہوتے

ڈاکٹر رؤف خیر، حیدر آباد، دکن

☆☆☆

ڈڈلی کے عبدالعزیز قریشی کو صدمہ

ڈڈلی کے معروف مستری جناب عبد العزیز قریشی کی اہلیہ 48 سال کی عمر میں وفات پا گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مرحومہ پابند شرع موحدہ تھیں۔ جناب عبد الشکور قریشی مستری کی چھوٹی ہمشیرہ تھیں۔ جامع مسجد کوئنس کراس ڈڈلی میں ڈاکٹر عبدالرب ثاقب نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور قریبی قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ نماز جنازہ سے قبل مولانا حبیب اللہ اثری نے موت پر خطاب کرتے ہوئے کہا کہ یہ وقت ہم سب پر آنے والا ہے، لہٰذا ہم اپنی قبر اور حشر کی تیاری کر لیں۔ پسماندگان میں 4 بیٹیاں سوگوار ہیں، جنازہ میں عبد الباسط بلیک برن، حاجی ذوالفقار قریشی، جناب محمد عمر، جناب عابد جنجوعہ اور بہت سے اقرباء و احباب شریک تھے، چوہدری عبد الرشید اور ان کے بچوں نے انتظامات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ دعا ہے کہ اللہ کریم مرحومہ کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ بچوں اور اقرباء کو صبر جمیل بخشے۔ آمین

☆☆☆

برمنگھم کے راجہ محمد صدیق بھی رمضان میں چل بسے

موزلے برمنگھم کے رہائشی راجہ محمد صدیق الیکٹریشن 80 سال کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مرحوم برمنگھم کی بزرگ شخصیت حاجی عبد اللطیف جنجوعہ کے داماد تھے اور بڑے ہی شریف النفس اور لوگوں کی مدد کرنے والے انسان تھے، اللہ نے چار بیٹے اور ایک بیٹی عطا کی ہوئی تھی۔ عبد الجلیل، عبد المحب، عبد النقیب، عبد الحلیم، عبد الرقیب، عبد الوحید نبیل شبیر، محمد عمر، عابد جنجوعہ، آصف زرگر، شعیب ساگر، اسرار احمد، تبریز طارق، ثاقب شبیر، مولانا ابراہیم میرپوری اور بہت سے احباب واقرباء نماز جنازہ میں شریک تھے، بہت سے احباب نے ان کے بچوں سے اظہار تعزیت کیا۔ دعا ہے کہ رب کریم مرحوم کو جنت الفردوس میں داخلہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل بخشے۔ آمین



صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کرامتیں

ڈاکٹر عبدالرب ثاقب ڈڈلی (قسط 18)

اصحاب کہف کے نوجوانوں کی کرامت

﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَأَهُم بِالْحَقِّ ﴾

ہم ان کا صحیح واقعہ آپ کے سامنے بیان فرمارہے ہیں، یہ چند نوجوان اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور ہم نے ان کی ہدایت میں ترقی دی تھی، ہم نے ان کے دل مضبوط کر دیئے تھے جب کہ یہ اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ ہمارا پروردگار تو وہی ہے جو آسمان وزمین کا پروردگار ہے۔ ناممکن ہے کے ہم اس کے سوا کسی اور معبود کو پکاریں۔ (سورۃ الکھف: آیت نمبر 13-14)

یہ نوجوان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں تھے یا ان سے پہلے ایک بادشاہ کے زمانہ میں تھے، جس کا نام دقیانوس تھا، انہوں نے ایمان بچانے اور مشرک بادشاہ اور مشرک لوگوں سے بچنے کے لئے ایک پہاڑ کے دامن میں چلے گئے۔ اللہ پاک نے 309 سال تک سلا دیا اور جب وہ بازار سے کچھ خریدنے کے لئے بستی میں گئے تو لوگوں کو پتہ چلا کہ ان کے پاس تین سو سال پرانے سکے ہیں پھر ان مشرک لوگوں کے ڈر سے وہ واپس اپنے غار میں آگئے جہاں پر وہ 309 سال سوگئے تھے اور وہی غار ان کے لئے قبرستان بن گیا۔

عام طور پر ہم بوڑھے اور بزرگ آدمیوں کو ولی سمجھتے ہیں، نوجوانوں کو نہیں! اس واقعے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى﴾

یعنی وہ نوجوانوں کی ایک جماعت تھی، کچھ لوگوں نے کہا کہ اصحاب کہف تین تھے اور چوتھا ان کا کتا تھا، کچھ لوگوں نے کہا کہ اصحاب کہف چار تھے اور پانچواں ان کا کتا تھا اور کچھ لوگوں نے کہا کہ اصحاب کہف پانچ تھے اور چھٹا ان کا کتا تھا اور کچھ کہیں گے کہ اصحاب کہف سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔ (سورۃ الکھف:22)

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ صحیح تعداد کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے اور تھوڑے سے آدمی جانتے ہیں۔ (سورۃ الکھف :22)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کے ان تھوڑے جاننے والوں میں میں بھی شامل ہوں۔ اصحاب کہف سات ہی تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔ (ابن جریر)

ممکن ہے اصحاب کہف کی شریعت میں اپنی حفاظت کے لئے کتا پالنے کی اجازت ہو، جیسا کہ امت محمدیہ میں بھی کھیت ومکان کی حفاظت کے لئے کتا پال سکتے ہیں، مگر اسے گھر کے اندر نہیں رکھنا چاہیے، گھر کے اندر رکھیں تو روزانہ ایک قیراط ثواب کم ہوگا۔

نیکوں کی صحبت اپنانے اور بروں کی صحبت سے بچنے کے لئے شیخ سعدی نے کہا:

پسرے نوح بابداں بنشت خاندان نبوتش گم شد
سگے اصحاب کہف روزے چند، پئے نیکاں گرفت مردم شد

سیدنا نوح علیہ السلام کے بیٹے نے بروں کی صحبت اختیار کی اور نبوت کا سلسلہ ختم ہوگیا، اصحاب کہف کا کتا چند روز نیک لوگوں کے ساتھ رہا اور انسان بن گیا، نیک لوگوں کے ساتھ کتے کا ذکر ہوگیا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے کتے کو بھی ان اللہ کے ولیوں کے ساتھ کردیا، 309 سال ان اولیاء اللہ کے ساتھ ان کا کتا بھی سوتا رہا اور مشرک بادشاہ اور مشرک لوگوں کے ڈر سے دوبارہ اسی غار میں داخل ہوئے اور سوگئے۔

سورہ کہف کی آیت 9 سے 26 تک ان نوجوانوں کا ذکر خیر ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام کی کرامت

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے کہ ایک دفعہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام اسرائیلوں میں کھڑے ہوئے خطبہ دے رہے تھے، آپ سے پوچھا گیا کہ سب سے بڑے عالم کون ہیں؟ فرمایا:

میں ہوں، تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو یہ جواب دینا تھا۔ اللہ اعلم بالصواب "اللہ بہتر جانتا ہے، اس لیے آپ پر اللہ کا عتاب نازل ہوا، اللہ نے وحی بھیجی کے دریاؤں کے سنگم پر میرا ایک بندہ ہے جو تم سے زیادہ عالم ہے، بولے اے رب! میں کیسے ان سے ملاقات کروں؟ فرمایا: توشے دان میں مچھلی رکھ لو، پھر تم جہاں اس مچھلی کو گم پاؤ گے وہیں وہ ملیں گے، آخر کار حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مچھلی توشہ دان میں رکھ کر یوشع علیہ السلام کو لے کر چل پڑے، جب ایک چٹان کے پاس آئے تو وہاں سوگئے، توشہ دان میں حرکت ہوئی اور مچھلی وہاں سے نکل کر دریا میں کود پڑی اور دریا میں ایک سوراخ سا بن گیا۔ پانی وہاں ملا نہیں، بلکہ جم گیا تاکہ معلوم ہو کہ یہاں کوئی چیز گئی ہے۔ جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام بیدار ہوئے تو یوشع علیہ السلام نے یہ واقعہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو بتانا بھول گئے، پھر یہ دونوں چلتے ہے، جتنا دن باقی تھا، چلتے رہے پھر رات بھر چلتے رہے، جب صبح ہوئی تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو یوشع علیہ السلام نے اپنا بھولا ہوا واقعہ سنایا کہ مچھلی تو بڑے انوکھے انداز میں پانی میں راہ بنا گئی، اور

یوشع کو بڑا تعجب ہوا۔ پھر دونوں اپنی چھوڑی ہوئی منزل کی طرف لوٹے تو انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کی اور اپنے آنے کی غرض وغایت بیان کی۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کہ تم صبر نہیں کر سکو گے، موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پاؤ گے، چنانچہ وہ سمندر کے کنارے چلتے رہے، اتنے میں ایک کشتی گزری، کشتی والوں سے کہا گیا کہ تم ہمیں سوار کر لو، چنانچہ وہ سیدنا خضر علیہ السلام کو پہچان گئے اور بغیر اجرت کے ان کو سوار کر لیا، تھوڑی دور جانے کے بعد حضرت خضر علیہ السلام ان کی کشتی کے ایک حصہ کو توڑ دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بول پڑے کہ کشتی والے جو بغیر اجرت کے ہمیں کشتی میں بٹھایا ہے، تم نے اس احسان کا بدلہ یہ دیا کے ان کی کشتی کو بگاڑ دیا۔

حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کہ میں نے کہا تھا کے تم صبر کرنا اور میرے بتانے سے پہلے اعتراض نہیں کرنا، سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے وعدہ کیا کہ آئندہ نہیں کروں گا، ساحل پر اتر کر جانے لگے تو وہاں بچے کھیل رہے تھے، سیدنا خضر علیہ السلام نے ایک بچہ کو مار دیا، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ ایک معصوم بچے کو ناحق تم نے مار دیا ہے؟ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کے میں نے کہا تھا کہ تم اس وقت تک صبر کرنا جب تک کہ میں خود تمہیں بتا نہ دوں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دوسری مرتبہ معذرت چاہی اور وعدہ کیا، آئندہ میں اعتراض نہیں کروں گا، آگے گئے تو ایک علاقے میں پہنچے اور وہاں کے لوگوں نے ان لوگوں کی ضیافت نہیں کی اور نہ انہیں کوئی مہمان رکھا، حضرت خضر علیہ السلام نے دیکھا کے اس علاقہ میں ایک دیوار گرنے کے قریب تھی۔ حضرت خضر علیہ السلام نے ہاتھ کے اشارہ سے اُسے سیدھی کر دیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ ایسے لوگ جنہوں نے ہمیں کھانا نہیں کھلایا تم نے ان کی دیوار مرمت کر دی؟ حضرت خضر علیہ السلام نے کہ اب تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے ہو، اس لئے میں تمہیں اور اپنا علم سکھا نہیں سکتا اور جو کچھ تم نے دیکھا ہے، میں اس کی حقیقت بتاتا ہوں۔ چنانچہ حضرت خضر علیہ السلام نے ان تینوں کاموں کے تعلق سے بتا دیا کہ جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے صبر نہیں کیا تھا اور فوراً حضرت خضر علیہ السلام پر اعتراض کر دیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کاش موسیٰ علیہ السلام نے صبر کیا ہوتا، تاکہ اللہ اور بھی واقعات ہم پر منکشف فرما دیتا۔ (صحیح بخاری)

سورۃ الکہف آیت 60 سے 82 تک کی آیات میں واقعہ ذکر کیا گیا ہے! آپ نے خضر علیہ السلام کے بارے میں فرمایا کہ آپ کو خضر اس لیے کہا گیا کہ وہ ایک دفعہ خشک گھاس پر بیٹھ گئے تھے، اتنے میں آپ کے نیچے سبز گھاس لہلانے لگی۔ (صحیح بخاری)

مذکورہ بالا تینوں کاموں کی مصلحتوں کو خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بیان کر دیا۔

1۔ کشتی کا کچھ حصہ توڑنے کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے برا کام سمجھا اور انہیں ٹوکا دراصل اس کی وجہ یہی تھی کے یہ غریب لوگوں کی کشتی تھی اور آگے ایک ظالم و جابر بادشاہ تھا جو ہر اچھی کشتی کو غصب کر لیا کرتا تھا، ٹوٹی ہوئی کشتی کو وہ چھوڑ دیتا تھا، ان مسکینوں کی کشتی کو بھی اس نے چھوڑ دیا۔

2۔ جو بچہ حضرت خضر علیہ السلام نے قتل کیا تھا اس کی گھٹی میں کفر تھا۔ (ابن جریر) قریب تھا کہ یہ حسین و جمیل بچہ ماں باپ کو کفر کی طرف مائل نہ کر دے، چنانچہ اس بچے کے بدلہ میں اللہ تعالی نے ایک نیک و صالحہ بچی عطا فرمائی، جب بچے کو قتل کیا گیا تو اسکی ماں کے پیٹ میں مسلمان بچی کا حمل تھا۔ (ابن جریج)

3۔ تیسرا واقعہ ایک بخیل اور کنجوس لوگوں کی بستی تھی، جہاں پر ان لوگوں کو کھانا نہیں دیا گیا، اگر وہ دیوار گر جاتی تو وہ بخیل اور کنجوس لوگ یتیم کا خزانہ لوٹ لیتے اس لئے اللہ کے حکم سے حضرت خضر علیہ السلام نے اس دیوار کو سیدھی کر دیا تا کہ وہ بڑے ہو کر اس دیوار سے خزانہ نکال لیں۔ اللہ نیک لوگوں کی اولاد کی حفاظت کرتا ہے اور انہیں ضائع نہیں کرتا ہے۔

☆☆☆

جمعیۃ اہلحدیث ڈڈلی کے چوہدری محمد یوسف وفات پا گئے

ڈربی کی کاروباری شخصیت اور مولانا محمود میرپوری کے دوست 90 سال کی عمر میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔

اناللہ وانا الیہ راجعون

برطانیہ بھر سے علمائے کرام اور احباب و اقارب نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ اس موقع پر نماز جنازہ سے قبل مولانا منیر قاسم، مولانا محمد ابراہیم میرپوری، مولانا شعیب احمد میرپوری، قاری ذکاء اللہ سلیم، مولانا محمد حفیظ اللہ خان المدنی، مولانا عبد الستار عاصم اور مولانا شفیق الرحمٰن شاہین نے چوہدری محمد یوسف کی خوبیاں بیان کیں۔

مولانا عبد الہادی العمری نے نماز جنازہ پڑھائی، پسماندگان میں تین بیٹے اور تین بیٹیاں سوگوار ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ کریم اس قدیم جماعتی بزرگ کو جنت الفردوس میں داخلہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل بخشے۔ آمین

☆☆☆

ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حج میں خطبہ دیا تو فرمایا: ”زمانہ پلٹ کر ویسے ہی ہو گیا جیسے اس دن تھا جب اللہ نے آسمان اور زمین کی تخلیق فرمائی تھی، سال بارہ مہینے کا ہوتا ہے، ان میں سے چار مہینے حرام ہیں: تین لگاتار ہیں، ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم اور ایک مضر کا رجب ہے جو جمادی الآخرہ اور شعبان کے بیچ میں ہے۔“ (سنن ابوداؤد: 1947)



بُرے نام کو اچھے نام سے تبدیل کرنا

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ غَيَّرَ اسْمَ عَاصِيَةَ، وَقَالَ: «أَنْتِ جَمِيلَةُ.»(صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب استحباب تغيير الاسم القبيح إلى حسن، وتغيير اسم برة إلى زينب وجويرية ونحوهما: 2139- سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، باب في تغيير الاسم القبيح: 4952- سنن ترمذی، أبواب الأدب، باب ما جاء في تغيير الأسماء: 2838- سنن ابن ماجه، كتاب الأدب، باب تغيير الأسماء: 3733)

”نبی ﷺ نے (ایک عورت کا) عاصیہ نام تبدیل کر دیا اور فرمایا کہ تُو جمیلہ ہے۔“

عاصیہ کا مطلب نافرمان عورت ہے، اس لیے نبی ﷺ نے اسے بُرا قرار دیا اور بدل کر اس عورت کا نام جمیلہ رکھ دیا۔

ابنِ مسیّب اپنے باپ کے حوالے سے اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا:

قَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «مَا اسْمُكَ؟». قَالَ: قُلْتُ: حَزْنٌ، قَالَ: «بَلْ أَنْتَ سَهْلٌ». قَالَ: لَا أُغَيِّرُ اسْمًا سَمَّانِيهِ أَبِي، قَالَ ابْنُ الْمُسَيِّبِ: فَفِينَا تِلْكَ الْحُزُونَةُ بَعْدَهُ

(صحیح بخاری، كتاب الأدب، باب اسم الحزن: 6190-سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، باب في تغيير الاسم القبيح: 4956)

”رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: تمہارا نام کیا ہے؟ میں نے کہا: حَزن (یعنی تنگی)، آپ ﷺ نے فرمایا: (نہیں) بلکہ تم سہل (یعنی آسانی) ہو۔ انہوں نے جواب میں کہا کہ میں وہ نام نہیں بدلوں گا جو میرے باپ نے میرا رکھا ہے۔ ابنِ مسیّب کہتے ہیں کہ پھر اس کے بعد ہمیں تنگی ہی در پیش رہی۔“

زینب بنت اُم سلمہ بیان کرتی ہیں کہ

كَانَ اسْمِي بَرَّةَ فَسَمَّانِي رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ زَيْنَبَ، وَدَخَلَتْ زَيْنَبُ بِنْتُ جَحْشٍ وَكَانَ اسْمُهَا بَرَّةَ فَسَمَّاهَا زَيْنَبَ.

(صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب استحباب تغيير الاسم القبيح إلى حسن، وتغيير اسم برة إلى زينب وجويرية ونحوهما: 2142- سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، باب في تغيير الاسم القبيح: 4953)

”میرا نام برّہ تھا، تو رسول اللہ ﷺ نے میرا نام زینب رکھ دیا، زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا آئیں اور ان کا نام بھی برّہ تھا تو آپ ﷺ نے ان کا نام بھی زینب رکھ دیا۔“

عبد الرحمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

أَتَيْتُ مَعَ أَبِي النَّبِيَّ ﷺ، فَقَالَ: «مَا اسْمُ ابْنِكَ هٰذَا؟». فَقَالَ: عَزِيزٌ، فَقَالَ: «لَا تُسَمِّهِ عَزِيزًا وَسَمِّهِ عَبْدَ الرَّحْمَنِ، فَإِنَّ أَحَبَّ الْأَسْمَاءِ إِلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ عَبْدُ الرَّحْمَنِ وَعَبْدُ اللّٰهِ.»

(مسند أحمد: 178/4- مسند البزار: 1993- سلسلة الأحاديث الصحيحة: 904)

”میں اپنے باپ کے ساتھ نبی ﷺ کے پاس آیا، تو آپ ﷺ نے (میرے باپ سے) دریافت فرمایا: تمہارے اس بیٹے کا نام کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: عزیز، آپ ﷺ نے فرمایا: اس کا نام عزیز مت رکھو، بلکہ اس کا نام عبد الرحمان رکھ دو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو جو نام سب سے زیادہ پسند ہیں وہ عبد الرحمان اور عبد اللہ ہیں۔“

ابو القاسم کنیت رکھنا مکروہ ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«تَسَمَّوْا بِاسْمِي وَلَا تَكَنَّوْا بِكُنْيَتِي»

(صحيح بخاری، كتاب المناقب، باب كنية النبي ﷺ: 3539- صحيح مسلم، كتاب البر والصلة: 2134)

”تم میرا نام رکھ لیا کرو، مگر میری کنیت مت رکھا کرو۔“

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

نَادَى رَجُلٌ بِالْبَقِيعِ: يَا أَبَا الْقَاسِمِ، فَالْتَفَتَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ، فَقَالَ: لَمْ أَعْنِكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّمَا عَنَيْتُ فُلَانًا، فَقَالَ: «تَسَمَّوْا بِاسْمِي وَلَا تَكَنَّوْا بِكُنْيَتِي». وَكَانَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَقُولُ: لَا يَحِلُّ لِأَحَدٍ أَنْ يَكْتَنِيَ بِأَبِي الْقَاسِمِ، كَانَ اسْمُهُ مُحَمَّدًا أَوْ غَيْرَهُ

(صحيح بخاری، كتاب المناقب، باب كنية النبي ﷺ: 3537- صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب النهي عن التكني بأبي القاسم وبيان ما يستحب من الأسماء: 2131)

"ایک آدمی نے بقیع الغرقد (جنت البقیع) سے آواز لگائی: اے ابوالقاسم!، رسول اللہ ﷺ نے مُڑ کر اس کی طرف دیکھا تو اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! میری مراد آپ نہیں ہیں، بلکہ میں نے فلاں کو آواز دی ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم میرا نام رکھ لیا کرو اور میری کنیت مت رکھا کرو۔"

"امام شافعی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ کسی کے لیے بھی یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی کنیت 'ابوالقاسم' رکھے، خواہ اس کا نام 'محمد' ہو یا کچھ اور ہو۔"

نبی ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کا نام اور کنیت رکھنے کا جواز

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنْ وُلِدَ لِي مِنْ بَعْدِكَ وَلَدٌ أُسَمِّيهِ بِاسْمِكَ وَأُكَنِّيهِ بِكُنْيَتِكَ؟ قَالَ: «نَعَمْ»(سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، باب في الرخصة في الجمع بينهما: 4967-سنن ترمذی، أبواب الأدب، باب ما جاء في كراهية الجمع بين اسم النبي ﷺ وكنيته: 2843)

"انہوں نے (یعنی علی رضی اللہ عنہ نے) عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ کی وفات کے بعد اگر میرا بیٹا پیدا ہو تو کیا میں آپ ﷺ کے نام پر اس کا نام اور آپ ﷺ کی کنیت پر اس کی کنیت رکھ سکتا ہوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔"

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ

أَنَّهَا قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَلَا تُكَنِّينِي فَكُلُّ نِسَائِكَ لَهَا كُنْيَةٌ، فَقَالَ: «بَلِ اكْتَنِي بِابْنِكِ عَبْدِ اللهِ». فَكَانَتْ تُكَنَّى بِأُمِّ عَبْدِ اللهِ.

(سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، باب في المرأة تكنى: 4970- الأدب المفرد للبخاري:850)

"انہوں نے (یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا نے) عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ کی سب بیویوں کی کنیت ہے، کیا آپ ﷺ میری کنیت نہیں رکھیں گے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم اپنے بیٹے عبد اللہ کے نام سے اپنی کنیت رکھ لو، چنانچہ ان کی کنیت اُمِ عبد اللہ رکھ دی گئی۔"

بُرے القاب دینے کی ممانعت

ابو جبیرہ بن ضحاک بیان کرتے ہیں کہ

نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ فِي بَنِي سَلَمَةَ ﴿وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ﴾ وَقَالَ: قَدِمَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ وَلَيْسَ مِنَّا رَجُلٌ إِلَّا وَلَهُ اسْمَانِ، فَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «يَا فُلَانُ»، فَيُقَالُ لَهُ: مَهْ يَا رَسُولَ اللهِ! فَإِنَّهُ يَغْضَبُ مِنْ هٰذَا الِاسْمِ، فَنَزَلَتْ: ﴿وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ﴾ [الحجرات: 11]

(سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، باب في الألقاب: 4962- سنن ترمذی، أبواب التفسير، باب ومن سورة الحجرات: 3268- سنن ابن ماجه، كتاب الأدب، باب الألقاب:3741)

"یہ آیت ﴿وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ﴾ بنو سلمہ کے بارے میں اتری ہے، جب رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے تو ہم میں سے ہر آدمی کے دو نام تھے، رسول اللہ ﷺ جب (کسی کا نام لے کر) فرماتے کہ اے فلاں!، تو آپ ﷺ سے کہا جاتا کہ اے اللہ کے رسول! یہ نام مت لیجیے، وہ اس نام سے غصہ کرتا ہے۔ تو یہ آیت نازل ہو گئی کہ ﴿وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ﴾ "اور ایک دوسرے کو برے القاب مت دو۔"

عمدہ طعام ولباس کا جواز اور حرام ومشتبہات سے اجتناب کی تاکید

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّ اللهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا، وَإِنَّ اللهَ تَعَالَى أَمَرَ الْمُؤْمِنِينَ بِمَا أَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِينَ، فَقَالَ: ﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ﴾ [المؤمنون: 51] وَقَالَ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ﴾ [البقرة: 172] . ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيلُ السَّفَرَ أَشْعَثَ أَغْبَرَ يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ: يَا رَبِّ، يَا رَبِّ، وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ، وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ، وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ، وَغُذِّيَ بِالْحَرَامِ، فَأَنَّى يُسْتَجَابُ لَهُ» (صحيح مسلم، كتاب البر والصلة: 1015- مسند أحمد:328/2)

"اے لوگو! یقیناً اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاکیزہ مال کو ہی قبول فرماتا ہے اور بلاشبہ اس نے مومنین کو بھی وہی حکم دیا جو اس نے رسولوں کو دیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَاأَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ﴾

"اے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو، یقیناً میں تمہارے اعمال کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔"

اور فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ﴾

"اے مومنو! جو ہم نے تمہیں پاکیزہ رزق عطا کیا ہے اس سے کھاؤ" پھر آپ ﷺ نے ایسے آدمی کا ذکر کیا جو لمبا سفر کرے، اس کے بال پراگندہ ہوں اور خود غبار سے اٹا ہو، وہ اپنے ہاتھوں کو پھیلا کر "اے میرے رب! اے میرے پروردگار!" کہنے لگے جبکہ اس کا کھانا حرام ہو، اس کا پینا حرام ہو، اس کا لباس حرام ہو اور اسے غذا بھی حرام ہی دی گئی ہو،

تو اس کی دعا کیسے قبول کی جاسکتی ہے؟“

اس حدیث میں مذکورہ صفات والے بندے کی مثال اس لیے دی گئی کہ ایسی حالت والا بندہ یعنی جو بہت لمبا سفر کر کے آ رہا ہو، اس کے بال پراگندہ ہوں، اس کا جسم گرد وغبار سے اَٹا پڑا ہو، ایسی حالت میں بندہ بہت قابلِ رحم لگتا ہے اور اس پر شفقت کرنے کو جی چاہتا ہے، لیکن اگر ایسے بندے کا کھانا، پینا، لباس حتی کہ اس نے پرورش ہی حرام مال سے پائی ہو تو اس کی ایسی قابلِ رحم حالت کی بھی اللہ تعالیٰ رعایت نہیں کرتا اور اس کی دعا کو قبول نہیں فرماتا۔

قابلِ غور بات یہ ہے کہ جب ایسا شخص بھی التفاتِ الٰہی کا مستحق نہیں ٹھہرتا تو پھر عام شخص کیا حیثیت رکھتا ہے؟ اس کی دعائیں تو بالاولیٰ قبول نہیں کی جاتی ہوں گی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنی دعاؤں کو شرفِ قبولیت بخشوانے کے لیے اپنے مال کو قطعی طور پر حرام کی پلید گی سے بچانا چاہیے۔

سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا:

«اَلحَلَالُ بَيِّنٌ، وَالحَرَامُ بَيِّنٌ، وَبَيْنَهُمَا مُشَبَّهَاتٌ لَا يَعْلَمُهَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ، فَمَنِ اتَّقَى المُشَبَّهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ، وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ كَرَاعٍ يَرْعَى حَوْلَ الحِمَى، يُوشِكُ أَنْ يُوَاقِعَهُ، أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى، أَلَا إِنَّ حِمَى اللهِ فِي أَرْضِهِ مَحَارِمُهُ، أَلَا وَإِنَّ فِي الجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الجَسَدُ كُلُّهُ، وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الجَسَدُ كُلُّهُ، أَلَا وَهِيَ القَلْبُ.»

(صحيح بخاري، كتاب الإيمان، باب فضل من استبرأ لدينه: 52- صحيح مسلم، كتاب المساقاة، باب أخذ الحلال وترك الشبهات:1599)

”حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان مشتبہات ہیں جن (کے حلال یا حرام ہونے) کا بہت سے لوگوں کو علم ہی نہیں ہے، سو جو اِن مشتبہات سے بچ گیا، اس نے اپنا دِین اور اپنی عزت دونوں محفوظ کر لیں اور جو اِن مشتبہات میں پڑ گیا وہ اس چرواہے کے مانند ہے، جو (اپنے جانوروں کو ممنوعہ) چراگاہ کے اِرد گرد چراتا ہے، بعید نہیں ہے کہ وہ اس چراگاہ میں ہی گھس جائے، آگاہ رہو! ہر بادشاہ کی ایک چراگاہ ہوتی ہے اور بلاشبہ زمین میں اللہ تعالیٰ کی چراگاہ اس کے حرام کردہ امور ہیں۔ یاد رکھو! یقیناً جسم میں ایک ایسا ٹکڑا ہے کہ جب تک وہ درست رہے، سارا جسم ہی درست رہتا ہے اور جب وہ خراب ہو جائے تو سارا جسم ہی خراب ہو جاتا ہے، سنو! وہ دِل ہے۔“

☆☆☆

مرے تمام چارہ گر

یاں وقت تو بہت ملا
میں بندگی نہ کر سکا
وہ حوصلے کہاں رہے
وہ عزم اب کہاں رہا
تھے کام کرنے کے بہت
یہ یاد ہی نہیں رہا
میں خود میں مست یوں ہوا
نہ لطفِ بندگی رہا
جو عمر تھی وہ ڈھل گئی
رمق دمک بھی ٹل گئی
رواں دواں یہ زندگی
مگر ہوئی نہ بندگی
نمازیں ساری بے اثر
نہ ذکر وفکر کا گزر
یہ وقت جو زیاں ہوا
ہوا نہ شکرِ رب ادا
بلا سبب گزر گیا
یہی میں سوچتا رہا
یہ وق کا تھا اک فسوں
سوار مجھ پہ تھا جنوں
وہ خواب ہائے نیل گوں
مگر رہا نہ اب سکوں
گئی زباں کی چاشنی
نہ آنکھ ہی میں روشنی
ہے درد جوڑ جوڑ میں
دل ونظر کی دوڑ میں
دلوں میں ایک چاہ تھی
ضمیر کی یہ آہ تھی
زمیں سے واسطہ تو ہو
خدا سے رابطہ تو ہو
جبیں ہو خم زمین پر
نہ ہو سکا کبھی مگر
قیام اب ہے بیٹھ کر
رکوع کیا اشاروں پر
نہ جانے موت کا سفر
ہے حکم رب کا منتظر
یہ آخری سفر مرا
ہے امتحاں لیے کھڑا
یہاں سے کس کو ہے مفر
ابد ہے سب کا مستقر
سپردِ خاک کر کے سب
دعائیں دے کے با ادب
کھڑے ہیں دل کو تھام کر
مرے تمام چارہ گر

محمد فاروق نسیم، برمنگھم

☆☆☆



سخت گرمی میں ظہر کی نماز کو ٹھنڈا کرنے سے متعلق

حدیث نمبر:109

عَنْ عبد الله بن عمر، وأبي هريرة رضي الله عَنْهم عَنْ رسول الله ﷺ أنه قال : «إذَا اشْتَدّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوا عَنِ الصّلاةِ. فَإِنّ شِدّةَ الْحَرِّ مِن فَيْحِ جَهَنّمَ».

(رواه البخاري، كتاب مواقيت الصلاة، باب الإبراد بالظهر في شدة الحر، برقم 533، واللفظ له، و536، ومسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب استحباب الإبراد بالظهر في شدة الحر لمن يمضي إلى جماعة، ويناله الحر في طريقه، برقم 615)

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ:

سیدنا عبداللہ بن عمر اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب گرمی سخت ہو جائے تو نماز کو ٹھنڈا کر لیا کرو اس لیے کہ گرمی کی شدت جہنم کے جوش کی وجہ سے ہوتی ہے۔

حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کے معانی

1 - اشْتَدّ: اس نے شدت اختیار کی۔

2 - الْحَرُّ: گرمی۔

3 - أَبْرِدُوْا: تم ٹھنڈا کرو۔

4 - شِدّةَ الْحَرِّ: گرمی کی شدت۔

5 - فَيْحُ: جوش، بھاپ۔

6 - جَهنّمَ: دوزخ۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام:

1۔ امام کو چاہیے کہ وہ مقتدیوں، نمازیوں کے لیے نمازوں کے اوقات میں بھی حتی الامکان آسانی پیدا کرے۔ مگر نماز کو اول وقت سے مؤخر نہ کرے۔

2۔ سخت گرمی کے موسم میں ظہر کی نماز ٹھنڈا کر کے پڑھنا مستحب ہے۔ تاکہ نمازیوں کا مسجد آنا جانا آسان ہو۔ اور تاکہ نماز میں خشوع وخضوع زیادہ سے زیادہ ہو سکے۔ البتہ بعض اہل علم اس حکم کو سفر کے ساتھ خاص سمجھتے ہیں یعنی سفر میں ایسا کرنے کی رخصت ہے حالت اقامت میں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ جیسا کہ عمدۃ الاحکام کی اس سے بعد والی حدیث میں بیان ہوا ہے۔ اور صحیح بخاری کی حدیث نمبر 539 میں تفصیل سے بیان ہوا ہے۔

3۔ ٹھنڈا کرنے سے مراد یہ ہے کہ سورج کی شعاعیں سیدھی پڑنے کی بجائے قدرے ترچھی ہو جائیں کیونکہ سخت گرمی کے موسم میں سورج کی سیدھی شعاعیں مہلک ثابت ہوتی ہیں ان سے لو لگنے کا عارضہ لاحق ہوتا ہے جو انسان کے لئے جان لیوا ثابت ہو سکتا ہے۔

4۔ سرد علاقوں میں ظہر کی نماز میں تاخیر نہیں کی جائے گی کیونکہ وہاں اس کی ضرورت نہیں۔

5۔ بعض ائمۂ کرام نے سخت گرمی کے دنوں میں نماز ظہر مؤخر کرنے کے متعلق یہ موقف اختیار کیا کہ تاخیر اس صورت میں ہو سکتی ہے جب لوگوں کو سخت گرمی میں نماز ادا کرنا دشوار ہو اور نمازیوں کو نماز باجماعت ادا کرنے کے لیے دور سے مسجد میں آنا پڑے، منفرد کے لیے بہر صورت اول وقت نماز ادا کرنا افضل ہے۔

اسی طرح اگر نماز باجماعت ادا کرنے کے لیے دور سے نہ آنا پڑتا ہو یا نماز پڑھنے والے ایک مقام پر جمع ہوں یا دور سے آنے کی صورت میں سائے وغیرہ کا اہتمام ہو تو نماز مؤخر کرنے سے اجتناب کیا جائے۔

6۔ نمازوں کے اوقات موسم کی تبدیلی کی وجہ سے آگے پیچھے کیے جا سکتے ہیں مگر نماز کو اس کے اپنے اول وقت پر ہی پڑھا جائے گا کیونکہ اول وقت کا دورانیہ کافی لمبا ہوتا ہے۔ اور عشاء کو مؤخر کرنا افضل ہے بشر طیکہ لوگوں پر زیادہ مشقت نہ ہو۔

7۔ اسلام دین رحمت وشفقت ہے۔

گرمی میں ظہر کی نماز کو ٹھنڈا کرنے سے متعلق

حدیث نمبر:110

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضي الله عَنْه قَالَ : «كُنّا نُصَلِّي مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي شِدّةِ الْحَرِّ، فَإِذَا لَمْ يَسْتَطِعْ أَحَدُنَا أَنْ يُمَكِّنَ جَبْهَتَهُ مِنَ الْأَرْضِ، بَسَطَ ثَوْبَهُ، فَسَجَدَ عَلَيْهِ».

(رواه البخاري، كتاب العمل في الصلاة، باب إذا بسط الثوب في الصلاة للسجود، برقم 1208، ومسلم، كتاب المساجد، باب استحباب تقديم الظهر في أول الوقت، برقم 620، واللفظ له)

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا: کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سخت گرمی کے موسم میں نماز پڑھا کرتے تھے جب ہم میں سے کوئی ایک اپنی پیشانی کو زمین پر ٹکانے کی طاقت نہ رکھتا تو وہ اپنا کپڑا پھیلا لیتا اور اس پر سجدہ کرتا۔

حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کے معانی

1 - نُصَلِّيْ: ہم نماز پڑھتے ہیں۔
2 - فِيْ شِدّةِ الْحَرِّ: سخت گرمی میں۔
3 - إِذَا: جب یا تب۔
4 - لَمْ يَسْتَطِعْ: اس کو استطاعت / طاقت نہیں۔
5 - أَنْ يُمَكِّنَ: کہ وہ زمین پر ٹکائے۔
6 - جَبْهَةَ: پیشانی۔
7 - بَسَطَ: اس نے پھیلایا۔
8 - ثَوْبَ: کپڑا۔
9 - سَجَدَ: اس نے سجدہ کیا۔
10 - عَلَيْهِ: اس پر۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام

1۔ سخت گرمی میں بھی ظہر کو اول وقت میں پڑھنا۔ البتہ بہت شدت کی گرمی ہو تو بعض اہل علم نے تھوڑی بہت مؤخر کرنی کی رخصت دی بشرطیکہ کہ اول وقت نہ ختم ہو۔

2۔ ننگی زمین پر سجدہ کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ سجدہ کسی کپڑے، چٹائی، کارپٹ وغیرہ پر کرنا جائز ہے۔

3۔ نماز میں خشوع وخضوع کی اہمیت ہے اس کو قائم رکھنے کی پوری کوشش کرنا حتی کہ اگر گرمی سردی یا کسی اور وجہ سے سجدہ زمین پر کرنے میں دشواری ہو یا خشوع وخضوع میں کمی آتی ہو تو سجدے کی جگہ کپڑا، چٹائی وغیرہ ڈالی جاسکتی ہے۔

4۔ نماز کے دوران نماز کے لیے اس طرح کی حرکت کرنا درست ہے اس سے نماز نہیں ٹوٹتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

☆☆☆

حرمت والے مہینوں کا بیان

عَنْ أَبِي بَكْرَةَ، أَنّ النّبِيّ صَلّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلّمَ خَطَبَ فِي حَجّتِهِ، فَقَالَ:

" إِنّ الزّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ خَلَقَ اللّٰهُ السّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ، السّنَةُ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا، مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ: ثَلَاثٌ مُتَوَالِيَاتٌ: ذُو الْقِعْدَةِ وَذُو الْحِجّةِ وَالْمُحَرّمُ وَرَجَبُ مُضَرَ الّذِي بَيْنَ جُمَادَى وَشَعْبَانَ".

سیدنا ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حج میں خطبہ دیا تو فرمایا:

"زمانہ پلٹ کر ویسے ہی ہو گیا جیسے اس دن تھا جب اللہ نے آسمان اور زمین کی تخلیق فرمائی تھی، سال بارہ مہینے کا ہوتا ہے، ان میں سے چار مہینے حرام ہیں: تین لگاتار ہیں، ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم اور ایک مضر کا رجب ہے جو جمادی الآخرہ اور شعبان کے بیچ میں ہے۔" (سنن ابو داؤد: 1947)

❶ اہل عرب میں قدیم سے یہ روایت چلی آتی تھی کہ ذوالقعدہ ذوالحجہ محرم اور رجب کے مہینوں کو حرمت والے مہینے جانتے تھے اور ان میں قتل و غارت اور عام دنگا فساد سے پرہیز کرتے تھے۔ چنانچہ اسلام نے بھی ان کی حرمت کو بحال رکھا ہے مگر اس کا یہ مفہوم نہیں کہ باقی مہینوں میں جو چاہے کیا جائے نہیں بلکہ ہمیشہ ہی اللہ کی حرمت کا پاس رکھنا فرض اور واجب ہے مگر ان مہینوں میں اور زیادہ اہتمام کیا جانا چاہیے۔ سورہ توبہ میں ہے: ﴿إِنّ عِدّةَ الشُّهورِ عِندَ اللّٰهِ اثنا عَشَرَ شَهرًا فى كِتـٰبِ اللّٰهِ يَومَ خَلَقَ السّمـٰوٰتِ وَالأَرضَ مِنها أَربَعَةٌ حُرُمٌ﴾ (سورۃ التوبہ: 36)

مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک کتاب اللہ میں بارہ کی ہے، اسی دن سے جب سے آسمان وزمین کو اس نے پیدا کیا ہے اس میں سے چار حرمت وادب کے ہیں۔

❷ زمانہ گھوم آیا ہے اس میں اہل جاہلیت کی اس قبیح رسم کی طرف اشارہ ہے کہ وہ لوگ مہینوں کو آگے پیچھے کر دیتے تھے۔

مثلاً محرم کو صفر کی جگہ مؤخر اور صفر کو مقدم کر دیا اور اسے نسیء سے تعبیر کرتے تھے۔ اس طرح سال کی تاریخوں میں بہت خرابی پیدا ہوگئی تھی۔ اور جس سال نبی ﷺ نے حج کیا اس سال اور تاریخ اپنے بالکل صحیح وقت پر آئی تھی۔ قرآن کریم نے عمل نسیء کو کفریہ اعمال میں سے شمار کیا ہے اور آئندہ صحیح تاریخ کی حفاظت کی ترغیب دی ہے۔

﴿انما النسیء زیادة فی الکفر .... الخ﴾ (التوبہ: 37)

❸ ماہ رجب کو قبیلہ مضر کی طرف اس لیے منسوب کیا گیا ہے کہ وہ لوگ اس کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے۔

(سنن ابی داود شرح از الشیخ عمر فاروق سعیدی، حدیث، صفحہ نمبر: 1947)

☆☆☆

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

اِختصّ اللّٰهُ أربعةَ أشهُرٍ فجعلهُنّ حُرُما ، وعظّم حُرُماتِهنّ ، وجعل الذنبَ فيهنّ أعظم ، وجعل العملَ الصالح والأجرَ فيهنّ أعظم (الطائف المعارف: ص 207)

"اللہ تعالیٰ نے (تمام) مہینوں میں سے چار کو خاص کر لیا ہے اور ان کو حرمت والا قرار دیا ہے اور ان کی حرمت کو عظیم قرار دیا ہے اور ان (حرمت والے مہینوں) میں گناہ کو بڑا کر دیا ہے اور عمل صالح اور ثواب کو بڑا کر دیا ہے۔

چنانچہ یہ وہ چار مہینے ہیں: جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرمت والے قرار دیا ہے، اور ان مہینوں کا نام حرمت والا اس لئے پڑا کہ ان مہینوں میں خصوصی طور پر ظلم وجبر، لڑائی وجھگڑا اور معاصی کو حرام قرار دیا گیا ہے۔



عصر حاضر میں مال (زر و نقد) کی حقیقت کیا ہے؟

سودی معاملات کے بارے میں بحث و نقاش کرتے ہوئے نظریہ خلق نقود یعنی زر کو کیسے مصنوعی طور پر پیدا کیا جارہا ہے۔ عموماً تغافل کا شکار رہتا ہے۔ لوگ یہ تو جانتے ہیں کہ ایک سو روپے قرض میں دیئے جائیں تو قرض کی واپسی کے وقت اگر ایک سو دس دیئے جائیں گے تو وہ سود ہو گا لیکن وہ اس بات کا ادراک نہیں کر پاتے کہ جو قرض وہ بینک سے لے رہے ہیں، وہ خود سود ہی کی پیداوار ہے۔

اس موضوع کو یورپین کونسل برائے فتویٰ اور ریسرچ کے ایک سیمینار منعقدہ 26 فروری 2025ء (براہ زوم) زیر بحث لایا گیا۔ مرکزی مقالہ ملیشیا کے جناب شہر الدین زین الدین نے پیش کیا۔ اُسی کا خلاصہ یہاں پیش خدمت ہے۔

☆زر (MONEY) کیا ہے؟

اسے چار معیارات سے پہچانا جاسکتا ہے۔

1۔ ذریعہ تبادل: یعنی اس کے ذریعے مختلف چیزوں کی خرید کی جاسکتی ہے اور کسی بھی کام کا کا معاوضہ دیا جا سکتا ہے۔

2۔ حساب و کتاب کی اکائی: یعنی زر کے ذریعے چیزوں اور مختلف خدمات کی قیمت کا تعین کیا جا سکتا ہے۔

3۔ خزانۂ قیمت یعنی اُسے مستقبل میں خرید و فروخت کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔

4۔ اُدھار سودوں کی قیمت چکانے کا معیار ہے یعنی لوگوں کی اکثریت اس بات کو مانتی ہے کہ زر ہی وہ معیار ہے کہ اگر کوئی چیز پہلے خرید لی جائے تو بعد میں اس کی قیمت کی ادائیگی کی جاسکتی ہے۔

☆زر تین طرح کا ہوتا ہے:

1۔ کوئی بھی مال بطور خود دوسرے مال سے تبادلے کے لئے استعمال کیا جائے۔

اسے COMMODITY MONEY کا نام دیا گیا ہے۔ اور اس قسم کا مال ذاتی طور پر اپنی قیمت رکھتا ہے۔

2۔ FIAT MONEY: یہ کسی بھی ملک کی کرنسی کو کہا جاتا ہے۔ جیسے روپیہ، پاؤنڈ، ڈالر، یورو اور چونکہ اسے ملک کی سرکار جاری کرتی ہے تو اسے قانونی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔

3۔ Bank MONEY، یہ وہ زر ہے جو بنک پیدا کرتا ہے اور دنیا میں اس وقت بنک کا پیدا کردہ زر تقریبا 97 فیصد تک پہنچ چکا ہے اور یہی بات زیر بحث ہے۔

عصر حاضر کے زر کی تاریخ

یہ کوئی سترہویں صدی عیسوی کی بات ہے کہ لوگوں نے جب سناروں کے پاس اپنا سونا بحیثیت امانت رکھوانا شروع کیا تو سُنار ان کے سونے کی قیمت کے مطابق انہیں رسیدیں جاری کرنے لگے ۔ انہی رسیدوں کو (PROMISSORY NOTES) کہا جاتا ہے، گویا یہ رسیدیں اس بات کا وعدہ کرتی ہیں کہ جب بھی انہیں سناروں کے سامنے پیش کیا جائے گا وہ رسید میں تحریر کردہ سونا واپس کرنے کے مجاز ہوں گے۔

لوگوں نے انہی رسیدوں کو خرید و فروخت کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا اور پھر یہی رسیدیں اس کاغذی نوٹ کی شکل میں وجود پذیر ہوئیں جو اب تک ہر ملک کی کرنسی شمار ہوتے ہیں۔

اور اس کے ساتھ ساتھ بنکوں کا قیام بھی عمل میں لایا گیا۔ انگلینڈ میں پہلا بنک 1694ء میں قائم کیا گیا، جس نے کاغذی نوٹوں کے اجراء کے عمل کو اپنایا اور ان نوٹوں میں اس بات کی ضمانت دی جاتی تھی کہ بنک نوٹ میں درج شدہ قیمت کے مطابق حامل نوٹ کے مطالبہ پر اُتنا ہی سونا دینے کا پابند ہو گا۔ اور یوں لوگ بنک میں اپنا سونا جمع کروا دیتے اور اپنے اخراجات کے لئے بنک سے بقدر ضرورت پیسے نکلوا لیتے اور یہیں سے فریکشنل رزرو منی (FRACTIONAL RESERVE MONEY) کا تصور عمل میں آیا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ مالکان بنک کے تجربے میں یہ بات آئی کہ جو لوگ اپنا سونا بنک میں بطور امانت جمع کراتے ہیں وہ اکثر طویل مدتوں کے لئے ہوتے ہیں۔ صرف بیس فیصد (یا دس فیصد) لوگ قلیل مدت میں اپنا سونا واپس وصول کرنے کے لئے آتے ہیں، تو کیوں نہ بنک میں جمع شدہ تمام رقوم (سونا، نقد کرنسی) میں سے صرف ایک قلیل حصہ (جیسے بیس (20) فیصد حصہ) بنک میں رکھا جائے اور باقی اسی فیصد رقوم کو بطور قرض دینے کے لئے استعمال کیا جائے۔

گویا اگر کسی شخص نے سو پاؤنڈ جمع کروائے ہیں تو صرف بیس پاؤنڈ بنک اپنے پاس رکھے اور باقی اسی پاؤنڈ وہ کسی قرض خواہ کو سود پر دے دے، لیکن یہ قرض چونکہ سونے کے سکوں میں تو نہیں دیا جائے گا، بلکہ کاغذی نوٹ کی شکل میں یا چیک کی شکل میں دیا جائے گا تو اسی ایک رقم کو چیک کی شکل میں ایک سے زیادہ افراد کو دیا جاسکتا ہے، اور عملاً دیکھا گیا کہ ایسی ایک رقم کے چیک دس افراد کو دیئے جاسکتے ہیں، گویا صرف 80 لونڈ کی رقم کو بذریعہ چیک اگر دس افراد کو دیا جائے گا تو وہ دس گنا بڑھ کر 800 پاؤنڈ کی شکل

اختیار کر گئے اور پھر ہر قرض خواہ جب بھی قرض کو بمع سود واپس کرے گا تو بنک کو مزید رقم بھی حاصل رہے گی۔ مزید تفصیل آگے آرہی ہے۔
اس عمل کے نتیجے میں بنکوں کے جاری کردہ قرضے سونے اور چاندی کا متبادل قرار دیئے گئے۔
☆ مرکزی بنک کے جاری کردہ نوٹ اور سکے (FIAT MONEY)
لاطینی زبان میں FIAT کا مطلب ہے: Let it Be Done 'ہو جا' (جیسے قرآنی زبان میں اللہ کی صفت ہے: 'کُن فیکون' ہو جاتو وہ چیز وجود میں آجاتی ہے) تو یہ لفظ عام طور پر اللہ کے لئے استعمال ہوتا ہے جیسے بائبل (عہد قدیم) کے پہلے باب (پیدائش) میں کہا گیا:
LET THERE BE LIGHT) FIAT LUX: روشنی ہو جائے!
حکومتوں نے یہ لفظ اُس زر کے لئے استعمال کیا ہے جو وہ عدم سے وجود میں لاتے ہیں۔ یعنی کچھ نہیں تھا پھر بھی انہوں نے اُسے پیدا کر لیا۔
اور اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ عمل خدائی کردار کی نقل کرنے کے مترادف ہے، یعنی یہ تو صرف اللہ کی ذات ہی ہے، جو عدم سے کسی شیئ کو وجود میں لا سکتی ہے اور یہاں انسان ڈھٹائی سے یہ دعوی کرتا ہے کہ ہم بھی ایسا کر سکتے ہیں۔
☆ جزئی طور پر محفوظ رکھنے کا عمل (فریکشنل رِزَرْو سسٹم)
اس سسٹم کو یہ نام اس لئے دیا گیا ہے کہ اس سسٹم کے مطابق بنکوں کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ اپنے گاہکوں کی جمع شدہ رقوم (DEPOSITS) کا ایک معمولی سا حصہ اپنے خزانے میں محفوظ رکھتے ہیں اور باقی رقم لوگوں کو بطور قرض دے سکتے ہیں اور یوں بنک قرض دینے کے بہانے مزید رقم پیدا کرنے کے مجاز ہوتے ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ اصلی رقم سے کئی گنا رقم کو مارکیٹ میں پھیلا دیتے ہیں، یہ جاننے کے لئے وہ ریزرو (محفوظ رقم) کو کتنے گنا مزید بڑھا گئے ہیں، اس فارمولے سے جانا جا سکتا ہے جسے منی ملٹی پرائر (MONEY MULTI PRIER) کا نام دیا گیا ہے۔
فارمولا یہ ہے:
(منی ملٹی برائر) = Reserve RATIO-1 MM
اگر ریزور کی نسبت 10 فیصد ہے تو شکل یہ ہو گی:
1/0.01=10
اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر اصل ڈپازٹ ایک ہزار پاؤنڈ تھا تو اُسے اس عمل کے نتیجے میں دس گنا یعنی دس ہزار تک بڑھایا جا سکتا ہے،
نتیجۃً فریکشنل ریزرو بینکنگ سسٹم کے تحت بنک اپنی محفوظ رقوم کو دس گنا تک بڑھا سکتا ہے۔
بنک کیسے زر کو پیدا کرتے ہیں؟
ہم اس عمل کو مرحلہ وار ترتیب کے ساتھ بیان کرتے ہیں:
1۔ابتدائی ڈپازٹ کی رقم
ایک گاہک بنک (A) میں ایک ہزار پاؤنڈ کی رقم جمع کراتا ہے۔
2۔بنک اس کا ایک حصہ یعنی دس فیصد (100 پاؤنڈ) محفوظ رکھتا ہے اور باقی 900 پاؤنڈ کو قرض پر دینے کا مجاز ہوتا ہے۔
3۔بنک (A) نو سو پاؤنڈ کی اس رقم کو ایک قرض خواہ کو دے دیتا ہے جو اس رقم کو کسی چیز کے خریدنے میں یا کسی خدمت (SERVICE) کی ادائیگی کے عوض ادا کر دیتا ہے اور نتیجہ 900 پاؤنڈ کی یہ رقم وصول کرنے والا اسے بنک (B) میں جمع کرا دیتا ہے۔
4۔بنک (B) نو (900 پاؤنڈ) کی رقم وصول کرنے کے بعد اس کا دس فیصد (90) پاؤنڈ) اپنے پاس محفوظ رکھتا ہے اور باقی 810 پاؤنڈ کسی کو قرض دے دیتا ہے اور پھر یہ رقم ایک تیسرا شخص وصول کرتا ہے اور جب وہ کوئی چیز خرید لیتا ہے یا کسی خدمت کے عوض کسی کو ادائیگی کر دیتا ہے تو یہ رقم وصول کرنے والا اسے بنک (C) میں جمع کرا دیتا ہے، بنک (C) اس کا دس فیصد (81 پاؤنڈ) اپنے ریزرو میں رکھنے کے بعد باقی 729 پاؤنڈ کسی اور کو قرض میں دے دیتا ہے۔
5۔ اب یہی عمل بار بار دہرایا جائے گا، ہر بنک جمع شدہ رقم کا دس فیصد بطور ریزرو رکھے گا اور باقی قرض دے دے گا۔
اور اس طرح کل دس دفعہ کے تبادلے کے بعد ایک ہزار پاؤنڈ کی اصلی رقم مصنوعی تخلیق زر کے نتیجے میں دس ہزار میں تبدیل ہو جائے گی۔
☆ تخلیق زر کے اثرات!!!
1۔ معیشت کو تمویل (پیسہ لگانے) کے عمل میں تبدیل کر دیا گیا، اس کا مطلب یہ ہے کہ اصل معیشت (ECONOMY) کے بجائے مارکیٹ میں پیسہ لگانے والا حصہ چھا جائے گا۔ گویا زر کو کاروبار کی شکل دے دی جائے گی۔
2۔ اور اس عمل کے نتیجے میں غیر ملکی کرنسی کے تبادلے کی تجارت روزانہ کے حساب سے 7.5 کھرب (TRILLION) تک پہنچ گئی ہے۔
اور یہ رقم اس نسبت سے بہت زیادہ ہے جو عالمی تجارت کے لئے (FX) یعنی غیر ملکی کرنسی کے تبادلے کے لئے ضروری ہے۔
3۔اور اس عمل کے نتیجے میں صرف امریکہ کی سالانہ آمدنی 85 کھرب ڈالر تک پہنچ گئی ہے جو کہ اس کی کل متوسط آمدنی (GDP) سے 370 فیصد زائد ہے۔
4۔اس کا سب سے خطرناک اثر ملکی معیشت میں غیر معمولی گرانی (INFLATION) کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔
ظاہر ہے مارکیٹ طلب اور رسد کے اصول پر کام کرتی ہے۔ مارکیٹ میں اگر پیسہ زیادہ آجائے اور چیزیں کم ہوں تو قیمتیں بڑھیں گی۔
رہائشی مکانات کی قیمتیں ہر سال اتنی تیزی سے بڑھ رہی ہیں کہ لوگوں کی قیمت خرید سے باہر پہنچ چکی ہیں

اس لیے مارگیج کی بزنس آسمانوں کو چھو رہی ہے۔(ص ح)

☆ **زر کو تجارت میں بدلنے (FINANCIALISATION) کے اثرات:**

1۔ قرض کے اوپر انحصار بڑھتا جا رہا ہے۔ عالمی قرض 307 کھرب (ٹریلین ڈالر) تک پہنچ چکے ہیں۔

2۔ تمام آبادی کا ایک فیصد (سب سے اونچا طبقہ)، حصص کی مارکیٹ میں ملکیت کی بنا پر زیادہ تر آمدنی وصول کرتا ہے۔ سن 2022 کے اختتام تک عالمی سرمائے کی قیمت 454 کھرب ڈالر تک پہنچ گئی ہے جو کہ عالمی GDP کا 450 فیصد حصہ بنتا ہے۔ اور یوں آمدنی کی یہ تقسیم انتہائی غیر منصفانہ ہے۔

3۔ معیشت کا عدم استحکام

معیشت میں اُتار (Bust) اور چڑھاؤ (BOOM) کا سبب قرض میں مہنگائی (INFLATION) کا رجحان اور طویل عرصے کی کساد بازاری (RECLESSION) شامل ہے۔

4۔ حقیقی پیداواری عمل میں پیسہ لگانے (INVESTMENT) کی شرح کم ہوتی جا رہی ہے۔

☆ اسلامی طرز عمل کے مطابق کاروباری عمل کا مستقبل کیا ہے؟

1۔ اسلامی بنک صرف اسی لئے اسلامی کہلاتے ہیں کہ وہ اپنے پیچھے ایک شریعت بورڈ رکھتے ہیں۔

2۔ علاج صرف یہی ہے کہ بنک سو فیصد محفوظ (RESERVE) رکھنا شروع کریں اور اس طریقے سے جو غلطی کی گئی ہے اس کا ازالہ ہو سکے۔

3۔ اس بات کا عزم کیا جائے کہ جو بھی تجارتی معاملات ہوں گے ان کو حصص اور نفع میں شراکت کی بنیاد پر چلایا جائے گا۔

☆ اسلامک بینکنگ اب کہاں کھڑی ہے؟

1۔ کیا اس نے موعودہ مقاصد شریعہ کو پورا کر دکھایا ہے، جو مال کے تحفظ اور بقاء کا مطالبہ کرتے ہیں؟

2۔ اسلامی بینکنگ کے 90 فیصد عقود (معاہدے) قرض کی بنیاد پر ہیں کہ جس کی بنا پر انہوں نے گھریلو اخراجات کے قرض پر انحصار کو بڑھا دیا ہے۔

3۔ کہاں گیا وہ دعویٰ کہ ایسے معاملات کو فروغ دیا جائے جس میں حصے داری اور منافع میں شراکت کی بنیاد پر پیسہ لگایا جاتا تھا؟

4۔ کیا خود اسلامی بنک اس نظام کا حصہ نہیں بن چکے ہیں، جس میں جزئی طور پر ریزرو رکھنے کے اصول کو اپنایا گیا ہے؟ کیا وہ بھی زر کی تخلیق میں شریک نہیں ہیں؟

نوٹ: بطور تتمہ میری چند میری گذارشات اگلے پرچے میں ملاحظہ ہوں۔(ص ح)

☆☆☆

مسجد جلدی جانے کے فوائد اور اس کی فضیلتیں

مسجد جلدی آنے والا نماز کے حکم میں

جلدی مسجد آنے کے فوائد میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ مسجد جلدی آنے والے کو نماز کے انتظار کرنے کا موقع ملتا ہے اور حدیث میں صراحت ہے کہ ”نماز کا انتظار کرنے والا ایسا ہے گویا کہ وہ نماز کی حالت میں ہے۔“ (صحیح نسائی : 733)

دوسری حدیث میں آتا ہے کہ ”جب تک تم میں سے کسی کو نماز روکے رکھتی ہے وہ مسلسل نماز میں ہوتا ہے، اسے گھر کی طرف لوٹنے سے نماز کے علاوہ اور کسی چیز نے نہیں روکا ہوتا۔“ (صحیح بخاری : 656)

فرشتوں کی دعائیں

جلدی مسجد آنے والا جب نماز کا انتظار کر رہا ہوتا ہے تو فرشتے اس بندے کے لئے مغفرت اور رحمت کی دعائیں کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

تم میں سے کوئی شخص جب تک اپنی (نماز پڑھنے کی) جگہ پر بیٹھا رہتا ہے، فرشتے اس کے حق میں دعا کرتے رہتے ہیں جب تک وہ بے وضو نہیں ہوتا۔ کہتے ہیں: اے اللہ! اسے بخش دے! اے اللہ اس پر رحم فرما۔

ایک اور حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”تم میں سے کوئی شخص جب تک اپنی (نماز پڑھنے کی) جگہ پر بیٹھا رہتا ہے، فرشتے اس کے حق میں دعا کرتے رہتے ہیں، کہتے ہیں: اے اللہ! اسے بخش دے! اے اللہ اس پر رحم فرما! یہ اس وقت تلک جاری رہتا ہے جب تک وہ بے وضو نہیں ہوتا، اور جب تک تم میں سے کسی شخص کو نماز روکے رکھتی ہے، وہ نماز ہی میں ہوتا ہے۔“ (صحیح مسلم:649)

گناہوں کی بخشش اور درجات کی بلندی

جلدی مسجد آنے والا جب نماز کے انتظار میں ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ نماز کے انتظار کرنے والے کے خطاؤں کو درگزر فرماتا رہتا ہے اور اس کے درجات بلند فرماتا رہتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

أَلا أَدُلُّكُمْ علَى ما يَمْحُو اللَّهُ به الخَطايا، ويَرْفَعُ به الدَّرَجاتِ؟ قالُوا بَلَى يا رَسولَ اللهِ، قالَ: إسْباغُ الوُضُوءِ علَى المَكارِهِ، وكَثْرَةُ الخُطا إلى المَساجِدِ، وانْتِظارُ الصَّلاةِ بَعْدَ الصَّلاةِ، فَذَلِكُمُ الرِّباطُ، فَذَلِكُمُ الرِّباطُ.(صحیح مسلم:251)

کیا میں تم کو ایسی عبادت نہ بتاؤں جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ مٹا دے اور جس سے تمہارے درجات بلند فرمائے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا: کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا: تکلیف کے وقت اچھی طرح (پانی بہا کر) وضو کرنا، کثرت سے مسجد کی طرف جانا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا، پس یہی تمہارے لیے رباط ہے، پس یہی تمہارے لیے رباط ہے یعنی گناہ سے بچنے کی سرحد ہے اور حفاظت کا ذریعہ ہے۔

یعنی یہ اعمال جہاد کی طرح ہیں جن کے ذریعہ انسان اپنے سب سے بڑے دشمن شیطان کو زیر کرتا ہے، اس وجہ سے اسے رباط» کہا گیا ہے جس کے معنی سرحد کی حفاظت و نگہبانی کے ہیں۔



پیش گفتار

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على رسوله الأمين وعلى آله وصحبه أجمعين

مورخہ: 13/اکتوبر 2024ء بروز اتوار، بمقام جامع مسجد اہل حدیث مؤمن پورہ بائیسکلہ ممبئی اسلام کا نظام تجارت کے عنوان پر۔ بحمد اللہ۔ ایک روزہ عظیم الشان علمی اور شعور بیداری کا نفرنس کامیاب طور پر منعقد ہوئی، جس میں فقہ الواقع کے تئیں انتہائی عمدہ موضوعات اور بڑی ہی چنندہ شخصیات کا انتخاب کیا گیا ۔ زیر بحث موضوعات جیسے تجارت کے اسلامی اصول، تجارت اور صحابہ کرام، انشورنس کی قسمیں اور ان کی شرعی حیثیت، مضاربت اور پارٹنر شب کے اسلامی اصول، جوے کی جدید شکلیں، زیورات کی خرید و فرخت سے متعلق غلطیاں، آن لائن بزنس ڈراپ شپنگ اور افیلیٹ مارکیٹنگ، کمیشن کی جائز و ناجائز صورتیں، سود کی شکلیں اور ان سے بچنے کا طریقہ، کیش بیک، بونس، منی ٹرانسفر اور ڈسکاؤنٹ کا شرعی حکم، کرپٹو کرنسی کی تکنیکی حقیقت و شرعی حیثیت، نیٹورک مارکیٹنگ کی حقیقت اور اس کا شرعی حکم، ہیوی ڈپازٹ کی شرعی حیثیت، کریڈٹ اور ڈیبٹ کارڈ کا حکم، قسطوں (EMI) میں خرید و فروخت کے مسائل، شیئر و کموڈیٹی مارکیٹ اور فوریکس کیا صحیح کیا غلط و دیگر موضوعات شرکائے اجلاس کی توجہ کا مرکز بنے رہے۔

میں اس مناسبت پر رب کریم کا احسان عظیم بجالانے کے بعد فاضل ترین شخصیت فضیلۃ الشیخ کفایت اللہ سنابلی حفظہ اللہ داعی و باحث اسلامک انفارمیشن سنٹر ممبئی وڈائریکٹر آئی پلس ٹی وی اور ان کے جملہ انتظامی وعلمی رفقائے کار کو دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ اللہ کے فضل کے بعد جن کی شبانہ روز مخلصانہ کاوشوں سے یہ یادگار کانفرنس اور سابقہ متعدد کانفرنسیں منعقد ہوئیں۔

26/ جنوری 2018ء کو میں نے۔ بحمد اللہ۔ کرپٹو کرنسی کی سب سے معروف قسم بٹ کوائن پر ایک مضمون لکھا تھا، لیکن اس کے بعد ان دنوں عمومی طور پر کرپیٹو کرنسی کی بابت طلبا و علما اور عوام وخواص کے سوالات زیادہ ہونے لگے۔ علاوہ ازیں کانفرنس نے حسن اتفاق بلکہ حسن مقدر مجھے کرپٹو کرنسی کا موضوع دیا اور بفضلہ تعالیٰ یہ موضوع ترتیب پایا، ساتھ ہی ساتھ میں ہر دل عزیز، ماہر اسلامی شریعت فضیلۃ الدکتور طارق صفی الرحمن مبارکپوری مدنی حفظہ اللہ اور اپنے محسن ومشفق، ماہر اسلامی تجارت فضیلۃ الشیخ الدکتور حافظ ارشد بشیر عمری مدنی حفظہ اللہ کا بے حد شکر گزار ہوں کہ ان فضلائے مشائخ نے ہجوم مشاغل کے باوجود اس مضمون کی نظر ثانی فرمائی۔

اللہ جل شانہ اس جیسی ساری نگارشات کو شرف قبول سے نوازے تمام محسنین ومعاونین کو دونوں جہانوں میں جزائے خیر عطا فرمائے اور ساری علمی خدمات کو بے لوث ذخیرۂ آخرت اور نجات کا ذریعہ بنائے۔

خیر اندیش

دکتور سید حسین مدنی (سیکرٹری ادارہ علمی تحقیقات کل ہند

14 / ربیع الآخر 1446ھ بمطابق 18/ اکتوبر 2024ء

☆☆☆

تمہید

کرپٹو کرنسی کی تکنیکی حقیقت اور شرعی حیثیت:

عصر حاضر کا ایک انتہائی پیچیدہ، حساس، گرم اور اہم موضوع ہے، جس کی تکنیکی حقیقت و شرعی حیثیت کے افہام تفہیم کے لیے 2009ء سے مسلسل متعدد کتابیں رسالے و مقالے لکھے گئے اور دنیا بھر میں مختلف اجلاس بھی منعقد کئے گئے۔

زیر بحث موضوع کے دو عناصر ہیں :

ایک کرپٹو کرنسی کی تکنیکی حقیقت

دوسرا کرپٹو کرنسی کی شرعی حیثیت

عنوان کی ترتیب در اصل امام ابن رشد اور امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے بیان کردہ اصول فقہ کے متفقہ قاعدے:

الْحُكْمُ عَلَى الشَّيْءِ فَرْعٌ عَنْ تَصَوُّرِهِ - کے تحت ہے، یعنی کسی بھی شے پر حکم لگانے سے قبل مجتہد ومفتی کے پاس اس کا مکمل اور صحیح تصور ہونا چاہیے۔

حق اور حقیقت ہے کہ کرپٹو کرنسی کی تکنیکی حقیقت اور شرعی حیثیت کو کما حقہ طور پر بیان کرنے کے لیے ماہرین معیشت و ماہرین ٹیکنالوجی کی خدمات اور با قاعدہ فتوی کمیٹی کا اجتماعی فتوی درکار ہے، لیکن مختصراً دونوں امور پیش خدمت ہیں۔

کرنسیوں کی تاریخ

ابتدائے انسانیت کے وقت ایک انسان دوسرے انسان سے اپنی ضرورت کی چیز کسی دوسری چیز کے بدلے میں لیا کرتا تھا جس کو نظام المقایضہ Barter System کہا جاتا ہے، پھر جب اس طریقے سے کسی

کی ضرورت اور کسی اور کی عدم ضرورت کے اعتبار سے دشواری ہونے لگی تو کثیر الاستعمال اشیاء جیسے چاول، نمک، لوہا وغیرہ بطور ثمن استعمال ہونے لگے اور اس طریقے کو نظام النقود السلعیہ Commodity Money System کہا جانے لگا، پھر جب اس طریقے سے بھی حمل و نقل کے اعتبار سے دشواری ہونے لگی تو نظر انتخاب سونے اور چاندی پر جم گئی اور انہیں بطور ثمن تسلیم کر لیا گیا اور اس نظام کو نظام النقود المعدنیہ Metallic Money System کہا جانے لگا، پھر جب مالی تحفظ کے اعتبار سے اس طریقے سے بھی دشواری ہونے لگی تو لوگ سونا اور چاندی سناروں کے پاس بطور امانت محفوظ کرنے لگے اور ان سے اس کی رسید لینے لگے اور رفتہ رفتہ یہی رسیدیں کاغذی نوٹ کا کام کرنے لگیں اور اِن رسیدوں کا چلن اس قدر زیادہ ہوا کہ تقریباً سترہویں صدی کے آغاز میں سویڈن کے اسٹاک ہوم بینک نے سب سے پہلے ان رسیدوں کو کاغذی نوٹ اور مال کا درجہ دیا، لیکن دنیا دن بدن ترقی کرتی گئی اور دوسرے ملک میں اپنے ملک کی نوٹ قابل استعمال نہیں رہی تو بینکوں نے کریڈٹ کارڈ اور ڈیبٹ کارڈ متعارف کرائے اور اس کے بعد فی الحال کرپٹو کرنسی کا موضوع زیر بحث ہے۔

☆☆☆

کرپٹو کرنسی کی ماہیت و تکنیکی حقیقت

محتاط اندازے کے مطابق چوں کہ کرپٹو کرنسی کی موجودہ شکلیں Bitcoin Litecoin اور Ripple جیسی تقریباً چھے ہزار سے زائد متنوع شکلیں ہیں، چنانچہ مسلمہ قاعدے کے طور پر کوئی ایک بات بتانا بڑا مشکل کام ہے، لیکن ان کے درمیان قدر اشتراک والی حقیقت یہ ہے کہ کرپٹو کرنسی Mining Process کے ذریعے وجود میں آنے والا برقی، غیر محسوس اور غیر ٹھوس اثاثہ Intangible ' خفیہ الیکٹرانک کرنسی Electronic currency، ای کامرس کرنسی E-Commerce Currency ڈیجیٹل ٹوکن Digital Token یا ڈیجیٹل منی Digital Money اور محض پروگرامنگ Programming کا نام اور Peer (ہم کار) To Peer نظام ہے، جو فرضی رقم Virtual money اور کسی مرکزی قانونی نظام کی پابندی کے بغیر ایک ایسی آزاد Decentralized کرنسی ہے جس کا دار ومدار Blockchain Technology کہلانے والی Public Ledger عوامی ڈیجیٹل دفتر پر منحصر ہے۔

واضح رہے کہ The Hindu اخبار کے مطابق فی الحال 47 Million سے زیادہ کرپٹو کرنسی کے صارفین دنیا بھر میں موجود ہیں۔

توجہ طلب بات یہ ہے کہ Central Bank کی Digital Currency حقیقت میں Form of Cash نقد ہی کی شکل ہوتی ہے، جب کہ کرپٹو کرنسی محض ایک فرضی کرنسی ہوتی ہے۔

کرپٹو کرنسی کی ابتدا 2008ء میں Satoshi Nakamoto کہلانے والے غیر معروف جاپانی سائنس دان کے ذریعے Online Payments کے راز دارانہ انداز سے Digital Alternative متبادل کے طور پر کرپٹو کرنسی کی حیثیت سے ہوئی، جسے عام کرنسی اور فرضی کرنسی دونوں اعتبار سے استعمال کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس کی ایجاد کی وجوہات میں Quick Payments فوراً ادائی کی سہولت، ساتھ ہی ساتھ Transaction Fee اور Bank Charges سے اور مال کی چوری سے بچنا اور اپنی Anonymity شناخت کو صیغہ راز میں رکھنا بھی شامل ہے، لیکن اس کے اشتراک و استعمال کے لیے Cryptocurrency Wallet کی ضرورت پڑتی ہے اور اس کے لیے Traditional Brokers یا Cryptocurrency Exchanges کے ذریعے ایک پیالی Cofee کی خریداری سے Real Estate میں تک سرمایہ کاری ممکن ہے، اور دلچسپ بات یہ ہے کہ اس میں اکاؤنٹ کھلوانے کے لیے کسی دستاویز کی ضرورت نہیں۔

کہا جاتا ہے کہ کرپٹو کرنسی مستقبل کی کرنسی ہے اور مستقبل مکمل ڈیجیٹل کرنسی کا ہوگا، اسی لیے ان جیسے موضوعات پر ہر لحاظ سے تحقیقات جاری ہیں۔

☆☆☆

امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"المصالح والخيرات واللذات والكمالات، كلها لا تُنال إلا بحظ من المشقة، ولا يُعبر إليها إلا على جسر من التعب ؛ وقد أجمع عقلاء كل أمة على أن النعيم لا يُدرك بالنعيم، وأن من آثر الراحة فاتته الراحة، وأن بحسب ركوب الأهوال واحتمال المشاق تكون الفرحة واللذة ؛ فلا فرحة لمن لا هَمّ له، ولا لذة لمن لا صبر له، ولا نعيم لمن لا شقاء له، ولا راحة لمن لا تعب له ؛ بل إذا تعب العبد قليلا استراح طويلا." "مصالح و خیرات اور لذات و کمالات؛ سب ایک مشقت کے بعد حاصل ہوتے ہیں، تھکاوٹ کے پل سے گزرنا ہوتا ہے۔ داناؤں کا اجماع ہے کہ خوشیوں کے راستے میں خوشیاں نہیں ہوتیں، جو راحت کیلیے رک جائے وہ راحت سے محروم ہو جاتا ہے، اور راستے کے خطرات و مشقتوں کے بقدر ہی بعد میں راحت و سکون ملتا ہے۔ جو غم نہیں سہتا وہ خوشی نہیں پاتا، جو صبر نہیں کرتا وہ لذت نہیں چکھتا، جو مشکلیں نہیں دیکھتا وہ آسائش سے بھی محروم رہتا ہے، جو تھکتا نہیں ہے اسے سکون نہیں ملتا۔ طویل تر سکون کیلیے کچھ گھڑی کی تھکاوٹ ضروری ہے۔" (مفتاح دار السعادة: 2/15)



اسلام میں مہمان نوازی کی بڑی تعلیم و ترغیب دلائی گئی ہے، مہمان کی عزت و تکریم، خاطر تواضع اور خدمت، اخلاق حسنہ میں سے ہے، عظیم نیکی اور عمدہ خصلت ہے، مہمان نوازی سے اللہ تعالیٰ کی رحمت ونصرت حاصل ہوتی ہے، باہمی تعلقات خوش گوار اور رشتے مضبوط ہوتے ہیں، نفرتوں اور عداوتوں کا خاتمہ ہوتا ہے، لہٰذا ایک مسلمان کو مہمان نواز ہونا چاہیے، اسلام سے قبل عربوں میں پائی جانے والی بعض اچھی صفات میں یہ صفت ہے جسے اسلام نے پسند کیا، اسے باقی رکھا اور مزید اس کو مضبوط کیا کیوں کہ نبی ﷺ مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث کیے گئے تھے، ارشادِ نبوی ہے:

«إنّما بُعِثْتُ لِأُتَمّمَ صالحَ الأخلاقِ» (مسند احمد:5952؛ مستدرک حاکم: 4221؛ سنن البیہقی: 21301؛ صحیح الادب المفرد:207)

میزبان پر مہمان کی ضیافت واجبی حق ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: «إنّ لِزَوْرِكَ عَلَيْكَ حَقًّا»(صحیح بخاری:1974) بے شک تمہارے مہمان کا تم پر حق ہے۔ دوسری حدیث میں ہے:

«لَيْلَةُ الضَّيْفِ وَاجِبَةٌ، فَإِنْ أَصْبَحَ بِفِنَائِهِ فَهُوَ دَيْنٌ عَلَيْهِ، فَإِنْ شَاءَ اقْتَضَى، وَإِنْ شَاءَ تَرَكَ» (سنن ابن ماجہ:3677؛ سلسلہ صحیحہ:2204)

” اگر کسی کے یہاں رات کو کوئی مہمان آئے تو اس رات اس مہمان کی ضیافت کرنی واجب ہے اور اگر وہ صبح تک میزبان کے مکان پر رہے تو یہ مہمان نوازی میزبان کے اوپر مہمان کا ایک قرض ہے، اب مہمان کی مرضی ہے چاہے اپنا قرض وصول کرے، چاہے چھوڑ دے۔

ایک اور حدیث میں ہے:

«عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: قُلْنَا: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّكَ تَبْعَثُنَا، فَنَنْزِلُ بِقَوْمٍ، فَلَا يَقْرُونَنَا، فَمَا تَرَى ؟ فَقَالَ لَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِنْ نَزَلْتُمْ بِقَوْمٍ، فَأَمَرُوا لَكُمْ بِمَا يَنْبَغِي لِلضَّيْفِ، فَاقْبَلُوا، فَإِنْ لَمْ يَفْعَلُوا، فَخُذُوا مِنْهُمْ حَقَّ الضَّيْفِ الَّذِي يَنْبَغِي لَهُمْ» (صحیح بخاری:6137)

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ ہمیں (تبلیغ وغیرہ کے لیے) بھیجتے ہیں اور راستے میں ہم بعض قبیلوں کے گاؤں میں قیام کرتے ہیں لیکن وہ ہماری مہمانی نہیں کرتے، ایسی صورت میں آپ کی کیا رائے ہے، ہم کیا کریں؟ نبی کریم ﷺ نے اس پر ہم سے فرمایا کہ

جب تم ایسے لوگوں کے پاس جا کر اترو اور وہ جیسا دستور ہے مہمانی کے طور پر تم کو کچھ دیں تو اسے منظور کر لو، اگر نہ دیں تو مہمانی کا حق قاعدے کے موافق ان سے وصول کر لو۔ اکثر علماء کہتے ہیں کہ یہ حکم ابتدائے اسلام میں عرب کے مروجہ دستور کے تحت تھا جب مسافروں کے لیے دوران سفر جہاں مسافر قیام کرتا وہاں والوں کو ان کے کھلانے پلانے کا انتظام کرنا ضروری تھا۔

ابن القیم رحمہ اللہ نے فرمایا: "إن للضيف حقاً على مَن نزل به ، وهو ثلاث مراتب: حق واجب، وتمام مستحب، وصدقة من الصدقات، فالحق الواجب: يوم وليلة، وقد ذكر النبي ﷺ المراتب الثلاثة في الحديث المتفق على صحته من حديث أبي شريح الخزاعي."(زاد المعاد:3/658)

”مہمان کا اس شخص پر حق ہے جس کے ہاں وہ ٹھہرتا ہے، اور یہ حق تین درجوں میں تقسیم ہوتا ہے: 1۔واجب حق، 2۔کامل، مستحب، 3۔صدقات میں سے ایک صدقہ۔ واجب حق یہ ہے کہ مہمان کی میزبانی ایک دن اور ایک رات کی جائے۔ نبی اکرم ﷺ نے ان تینوں درجوں کا ذکر اس حدیث میں فرمایا ہے جو حدیثِ ابی شریح خزاعی سے مروی ہے اور صحیح بخاری و مسلم میں متفق علیہ ہے۔

مہمانوں کی خدمت اور عزت کے پیش نظر ہماری شریعت ہمیں اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ ہم جہاں اپنے اور اپنے اہل خانہ کے لیے بستر وغیرہ کا انتظام کرتے ہیں وہیں مہمانوں کے لیے بھی انتظام کریں، حدیث میں ہے، جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا:

« فِرَاشٌ لِلرَّجُلِ، وَفِرَاشٌ لِامْرَأَتِهِ، وَالثَّالِثُ لِلضَّيْفِ، وَالرَّابِعُ لِلشَّيْطَانِ» (صحیح مسلم2084)

” ایک بستر مرد کے لیے ہے ایک اس کی بیوی کے لیے، تیسرا بستر مہمان کے لیے اور چوتھا بستر شیطان کے لیے ہے۔“

مومن کی صفت: مہمانوں کی خدمت اور خبر گیری جہاں ایک اچھے اور شریف انسان کی پہچان ہے وہیں ایک مومن کے ایمان کی نشانی ہے، نبی ﷺ کا ارشاد ہے:لا خَيْرَ فِيْمَنْ لا يُضِيْفُ (مسند أحمد:

17419؛سلسلہ صحیحہ:2434)
جو انسان مہمان نواز نہ ہو اس میں کوئی خیر و بھلائی نہیں۔ اگر میزبان اجر و ثواب کی نیت سے گھر آنے والے مہمان کی خوش دلی سے خدمت کرے تو وہ اس عمل کے ذریعے دنیا و آخرت میں خیر و بھلائی اور سعادت و کامرانی حاصل کر سکتا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے:وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ (صحیح بخاری:6018)
”اور جو کوئی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔“
مہمان کی عزت و تکریم کا مطلب خندہ پیشانی سے اس کا استقبال کرنا، حسب استطاعت خوش دلی سے اس کی مہمان نوازی کرنا اور اس کے آرام و راحت کا خیال رکھنا، پہلے دن اور رات عمدہ کھانے کا اہتمام کرنا، اس کے بعد دو دن مزید معمول کے مطابق مہمان نوازی کرنا، تین دن کے بعد مہمان کو چاہیے کہ وہ وہاں سے چلا جائے تاہم اگر وہ نہ جائے تو اس کے بعد مہمان نوازی بطور صدقہ ہو گی۔
حدیث میں ہے:
عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ الْكَعْبِيِّ ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ، جَائِزَتُهُ يَوْمٌ وَلَيْلَةٌ، وَالضِّيَافَةُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ، فَمَا بَعْدَ ذَلِكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ» (صحیح بخاری:6135)
”ابو شریح کعبی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے اپنے مہمان کی عزت کرنا چاہیے۔ اس کی خاطر داری ایک دن اور ایک رات کی ہے، مہمانی تین دنوں کی ہے، اس کے بعد جو ہو وہ صدقہ ہے۔ اس حدیث میں نبی ﷺ نے جہاں مہمان نوازی کا حکم دیا ہے وہیں اس کو ایمان کے ساتھ جوڑ کر اس کی اہمیت واضح کر دی ہے۔“

امام خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قوله: (جائزته يوم وليلة) سئل مالك بن أنس عنه فقال: يُكرمه، ويتحفه، ويخصه، ويحفظه ، يوماً وليلة ، وثلاثة أيام ضيافة ، قلت : يريد أنه يتكلف له في اليوم الأول بما اتسع له من بر ، وألطاف، ويقدِّم له في اليوم الثاني والثالث ما كان بحضرته ، ولا يزيد على عادته، وما كان بعد الثلاث : فهو صدقة ، ومعروف ، إن شاء فعل ، وإن شاء ترك." (معالم السنن:4/238)
نبی ﷺ کے قول: جائزتہ یوم ولیلۃ (یعنی ایک دن اور رات اہتمام کرنا)۔ امام مالک بن انس رحمہ اللہ سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: اس کی عزت کرے، اس کی خاطر مدارت کرے، اسے خاص اہمیت دے اور ایک دن اور رات تک اس کی دیکھ بھال کرے، اور تین دن تک مہمان نوازی کرے۔ میں (امام خطابی رحمہ اللہ) کہتا ہوں: اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے دن وہ اس کے لیے اپنی وسعت کے مطابق عمدہ چیزوں اور خصوصی توجہ کا اہتمام کرے اور دوسرے اور تیسرے دن وہی پیش کرے جو اس کے پاس موجود ہو اور اپنی معمول کی زندگی سے زیادہ تکلف نہ کرے اور تین دن کے بعد جو کچھ ہو گا وہ صدقہ اور نیکی کے درجے میں ہو گا۔ اگر چاہے تو کرے، اور اگر چاہے تو نہ کرے۔
انبیاء کی صفت: مہمان نوازی وہ عظیم صفت ہے جس سے انبیاء علیہم السلام متصف تھے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بعض پیغمبروں کی مہمان نوازی کا تذکرہ کیا ہے، بعض پیغمبروں کے واقعات ملاحظہ فرمائیں:
1۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی مہمان نوازی:
اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ الْمُكْرَمِينَ 0 إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا ۖ قَالَ سَلَامٌ قَوْمٌ مُنْكَرُونَ 0 فَرَاغَ إِلَىٰ أَهْلِهِ فَجَاءَ بِعِجْلٍ سَمِينٍ 0 فَقَرَّبَهُ إِلَيْهِمْ قَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ 0 فَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً ۖ قَالُوا لَا تَخَفْ ۖ وَبَشَّرُوهُ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ 0 فَأَقْبَلَتِ امْرَأَتُهُ فِي صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوزٌ عَقِيمٌ 0 قَالُوا كَذَٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ ۖ إِنَّهُ هُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ﴾ (سورۃ الذاریات:24-30)
” کیا تجھے ابراہیم (علیہ السلام) کے معزز مہمانوں کی خبر بھی پہنچی ہے؟ وہ جب ان کے ہاں آئے تو سلام کیا، ابراہیم نے جواب سلام دیا (اور کہا یہ تو) اجنبی لوگ ہیں۔ پھر (چپ چاپ جلدی جلدی) اپنے گھر والوں کی طرف گئے اور ایک فربہ بچھڑے (کا گوشت) لائے۔ اور اسے ان کے پاس رکھا اور کہا آپ کھاتے کیوں نہیں۔ پھر تو دل ہی دل میں ان سے خوفزدہ ہو گئے انہوں نے کہا آپ خوف نہ کیجیے۔ اور انہوں نے اس (ابراہیم علیہ السلام) کو ایک علم والے لڑکے کی بشارت دی۔ پس ان کی بیوی آگے بڑھی اور حیرت میں آکر اپنے منہ پر ہاتھ مار کر کہا کہ میں تو بوڑھیا ہوں اور ساتھ ہی بانجھ۔ انہوں نے کہا ہاں تیرے پروردگار نے اسی طرح فرمایا ہے، بیشک وہ حکیم و علیم ہے۔“
ابراہیم علیہ السلام کی ضیافت کے اس واقعے میں ہمارے لیے مہمان نوازی کے بہت سارے آداب موجود ہیں، مثلاً: آنے والا مہمان سلام کرے اور میزبان جواب دے، مہمان کو بتائے بغیر آہستہ جا کر جلدی مہمانی تیار کرنا، مہمان نوازی کا اہتمام کرنا، دستر خوان پر ساری چیزیں تیار کرنے کے بعد مہمان کو بٹھانا، مہمان سے مخاطب ہونے میں نرمی کا پہلو اختیار کرنا،

اجنبی مہمان کی بھی ضیافت کا اہتمام کرنا صرف قریبی مہمانوں کا ہی نہیں۔ مہمان سے خیر وعافیت دریافت کرنا، مہمان کی خود خدمت کرنا، کچھ دیر کے لیے مہمان سے الگ ہو جانا تاکہ وہ آرام کرلے۔ وغیرہ۔

حدیث میں ہے:

«كَانَ أَوَّلَ مَنْ ضَيَّفَ الضَّيْفَ إِبْرَاهِيمُ»

(رواہ ابن عساکر:2/167؛سلسلہ صحیحہ:725،حسن)

"سیدنا ابراہیم علیہ السلام پہلے فرد ہیں، جنہوں نے مہمانوں کی میزبانی کی۔"

2۔سیدنا لوط علیہ السلام کی مہمان نوازی:

اسی طرح سیدنا لوط علیہ السلام کے پاس فرشتے خوب صورت نوجوانوں کی شکل میں جب آئے تو ان کی قوم ان کے پیچھے پڑ گئی اور ان سے چھیڑ چھاڑ کرنے لگی، اس وقت اللہ کے پیغمبر لوط u بہت پریشان ہوئے اور فرمایا:

﴿وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَقَالَ هَٰذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ 0 وَجَاءَهُ قَوْمُهُ يُهْرَعُونَ إِلَيْهِ وَمِن قَبْلُ كَانُوا يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ ۚ قَالَ يَا قَوْمِ هَٰؤُلَاءِ بَنَاتِي هُنَّ أَطْهَرُ لَكُمْ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تُخْزُونِ فِي ضَيْفِي ۖ أَلَيْسَ مِنكُمْ رَجُلٌ رَّشِيدٌ﴾ (سورۃ ہود:77-78)

"جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے لوط کے پاس پہنچے تو وہ ان کی وجہ سے بہت غمگین ہو گئے اور دل ہی دل میں کڑھنے لگے اور کہنے لگے کہ آج کا دن بڑی مصیبت کا دن ہے اور اس کی قوم دوڑتی ہوئی اس کے پاس آ پہنچی، وہ تو پہلے ہی سے بدکاریوں میں مبتلا تھی، سیدنا لوط علیہ السلام نے کہا: اے قوم کے لوگو! یہ ہیں میری بیٹیاں جو تمہارے لیے بہت ہی پاکیزہ ہیں، اللہ سے ڈرو اور مجھے میرے مہمانوں کے بارے میں رسوا نہ کرو، کیا تم میں ایک بھی بھلا آدمی نہیں۔"

3۔سیدنا شعیب علیہ السلام کی مہمان نوازی:

بعض مفسرین کے قول کے مطابق جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے سیدنا شعیب علیہ السلام کی بیٹیوں کی بکریوں کو پانی پلا دیا، اس وقت سیدنا شعیب علیہ السلام نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو گھر بلا کر ان کی ضیافت کی اور گھر میں پناہ دیا اور بھرپور تسلی دی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَجَاءَتْهُ إِحْدَاهُمَا تَمْشِي عَلَى اسْتِحْيَاءٍ قَالَتْ إِنَّ أَبِي يَدْعُوكَ لِيَجْزِيَكَ أَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ۚ فَلَمَّا جَاءَهُ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ قَالَ لَا تَخَفْ ۖ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾ (سورۃ القصص:25)

" اتنے میں ان دونوں عورتوں میں سے ایک ان کی طرف شرم وحیا سے چلتی ہوئی آئی، کہنے لگی کہ میرے باپ آپ کو بلا رہے ہیں تاکہ آپ نے ہمارے (جانوروں) کو جو پانی پلایا ہے اس کی اجرت دیں، جب موسیٰ (علیہ السلام) ان کے پاس پہنچے اور ان سے اپنا سارا حال بیان کیا تو وہ کہنے لگے اب نہ ڈر تو نے ظالم قوم سے نجات پائی۔"

آیت کی تفسیر میں امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وَكَانَتْ مَدْيَنُ خَارِجَةً عَنْ مَمْلَكَةِ فِرْعَوْنَ وَقَرَّبَ إِلَيْهِ طَعَامًا فَقَالَ مُوسَى: لَا آكُلُ، إِنَّا أَهْلُ بَيْتٍ لَا نَبِيعُ دِينَنَا بِمِلْءِ الْأَرْضِ ذَهَبًا، فَقَالَ شُعَيْبٌ: لَيْسَ هَذَا عِوَضَ السَّقْيِ، وَلَكِنْ عَادَتِي وَعَادَةُ آبَائِي قِرَى الضَّيْفِ، وَإِطْعَامُ الطعام، فحينئذ أكل موسى."

(تفسیر القرطبی، سورۃ القصص:25)

"شہر مدین فرعون کی سلطنت سے باہر تھا۔ سیدنا شعیب علیہ السلام نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے لیے کھانا پیش کیا، تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے کہا: میں نہیں کھاؤں گا، کیوں کہ ہم ایک ایسا خاندان ہیں جو اپنا دین ساری دنیا کے سونے کے بدلے بھی نہیں بیچتا۔ سیدنا شعیب علیہ السلام نے جواب دیا: یہ تمہارے پانی پلانے کا بدلہ نہیں ہے، بلکہ یہ میری اور میرے آبا کی عادت ہے کہ ہم مہمان نوازی کرتے ہیں اور لوگوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ پھر سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے کھانا کھایا۔"

4۔نبی اکرم ﷺ کی مہمان نوازی:

مہمان نوازی آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کا ایک نمایاں اور شان دار پہلو ہے۔ آپ ﷺ مہمانوں کے ساتھ حسن سلوک کرتے، بڑے پیار ومحبت اور شفقت سے پیش آتے تھے، آپ ﷺ کا رویہ ہر مہمان کے ساتھ یکساں ہوتا۔ چاہے وہ کوئی قریبی ساتھی ہو، غریب شخص ہو، یا کوئی عام آدمی، آپ ﷺ سب کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آتے۔ ہم دردی کرتے، بسا اوقات مہمان نوازی کے لیے آپ کے گھر میں اگر کوئی انتظام نہیں ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مہمان کے ساتھ تعاون کی ترغیب دیتے اور مہمان نوازی کی یہ صفت آپ کی زندگی میں نبوت سے پہلے ہی نظر آتی ہے، جیسا کہ پہلی وحی کے نزول کے وقت جب آپ گھبرا کر گھر آئے تو خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے جن مکارم اخلاق کا تذکرہ کیا ان میں مہمان نوازی کی صفت بھی شامل ہے، فرمایا:

«كَلَّا، أَبْشِرْ، فَوَاللَّهِ لَا يُخْزِيكَ اللَّهُ أَبَدًا؛ إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَصْدُقُ الحَدِيثَ، وَتَحْمِلُ الكَلَّ، وَتَقْرِي الضَّيْفَ، وَتُعِينُ على نَوائِبِ الحَقِّ» (صحیح بخاری: 6982)

" اللہ کی قسم ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا، آپ خوش رہیں اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ آپ تو صلہ رحمی کرتے ہیں، بات سچی بولتے ہیں، ناداروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق کی وجہ سے پیش آنے والی مصیبتوں پر لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔"

اس حدیث میں یہ پیغام ہے کہ مہمان نوازی کی

صفت سے متصف ہونے والا ہر طرح کی آفت، بلاء اور رسوائی وناکامی سے محفوظ رہتا ہے۔

صحابہ کرام کی صفت:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ہمیشہ آگے آگے رہتے تھے، ہر طرح کے اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے، انہیں اخلاق حسنہ میں ایک بہترین اخلاق مہمان نوازی کی صفت سے متصف تھے، بطور مثال بعض صحابہ کی مہمان نوازی کے نمونے درج ذیل ہیں:

1۔ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مہمان نوازی:

عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہا: ہمارے ہاں ہمارے کچھ مہمان آئے، میرے والد رات کو رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھ کر گفتگو کیا کرتے تھے، وہ چلے گئے اور مجھ سے فرمایا: عبدالرحمٰن! تم اپنے مہمانوں کی سب خدمت بجا لانا۔ جب شام ہوئی تو ہم نے (ان کے سامنے) کھانا پیش کیا، کہا: تو انھوں نے انکار کر دیا اور کہا: جب گھر کے مالک (بچوں کے والد) آئیں گے اور ہمارے ساتھ کھانا کھائیں گے (ہم اس وقت کھانا کھائیں گے۔) کہا: میں نے ان کو بتایا کہ وہ (میرے والد) تیز مزاج آدمی ہیں، اگر تم نے کھانا نہ کھایا تو مجھے خدشہ ہے کہ مجھے ان کی طرف سے سزا ملے گی۔ کہا: لیکن وہ نہیں مانے، جب ابو بکرt آئے تو ان (کے متعلق پوچھنے) سے پہلے انھوں نے کوئی (اور) بات شروع نہ کی۔ انھوں نے کہا: مہمانوں (کی میزبانی) سے فارغ ہو گئے ہو؟ گھر والوں نے کہا: واللہ! ابھی ہم فارغ نہیں ہوئے، ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا میں نے عبدالرحمٰن کو کہا نہیں تھا؟ (عبد الرحمٰن نے) کہا: میں ایک طرف ہٹ گیا انھوں نے آواز دی: عبدالرحمٰن! میں کھسک گیا۔ پھر انہوں نے کہا: اے احمق! میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ اگر تو میری آواز سن رہا ہے تو آجا۔ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کہا: میں آ گیا اور میں نے کہا: اللہ کی قسم! میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ یہ ہیں آپ کے مہمان ان سے پوچھ لیجیے، میں ان کا کھانا ان کے پاس لایا تھا، انہوں نے آپ کے آنے تک کھانے سے انکار کر دیا، (عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے) کہا تو انھوں (ابو بکر رضی اللہ عنہ) نے (ان سے) کہا: کیا بات ہے؟ تم نے ہمارا پیش کیا ہوا کھانا کیوں قبول نہیں کیا؟ (عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے) کہا: تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں آج رات یہ کھانا نہیں کھاؤں گا۔ مہمانوں نے کہا اللہ کی قسم! ہم بھی اس وقت تک کھانا نہیں کھائیں گے جب تک آپ نہیں کھاتے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اس شر جیسا (شر)، اس رات جیسی (رات) میں نے کبھی نہیں دیکھی، تم لوگوں پر افسوس! تمھیں کیا ہے؟ تم لوگوں نے ہماری دعوت قبول کیوں نہیں کی؟ پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: (میری) پہلی بات (نہ کھانے کی قسم) شیطان کی طرف سے (ابھارنے پر) تھی۔ چلو، اپنا میزبانی کا کھانا لاؤ۔ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر کھانا لایا گیا، ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بسم اللہ پڑھ کر کھانا کھایا اور مہمانوں نے بھی کھایا، صبح ہوئی تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے پاس گئے اور کہا: اللہ کے رسول ﷺ! ان لوگوں نے قسم پوری کر لی اور میں نے توڑ دی (کہا) پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو پورا واقعہ سنایا، (رسول اللہ ﷺ نے) فرمایا: نہیں، تم ان سے بڑھ کر قسم پوری کرنے والے ہو، ان سے بہتر ہو (عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے) کہا: مجھ تک کفارہ دینے کی بات نہیں پہنچی۔" (صحیح مسلم: 2057)

اس حدیث میں جہاں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مہمان نوازی کا واقعہ موجود ہے وہیں اس بات کی دلیل بھی ہے کہ میزبان کو مہمان کے ساتھ کھانے کے لیے بیٹھنا چاہیے، یہ ادب ہے اور مہمان کی عزت وتکریم میں شامل ہے۔

2۔ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کی مہمان نوازی کا بے مثال واقعہ:

حدیث میں ہے: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيّ ﷺ فَبَعَثَ إِلَى نِسَائِهِ، فَقُلْنَ : مَا مَعَنَا إِلّا الْمَاءُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: مَنْ يَضُمُّ - أَوْ يُضِيفُ - هٰذَا؟ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ: أَنَا، فَانْطَلَقَ بِهِ إِلَى امْرَأَتِهِ، فَقَالَ: أَكْرِمِي ضَيْفَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَتْ: مَا عِنْدَنَا إِلّا قُوتُ صِبْيَانِي، فَقَالَ: هَيِّئِي طَعَامَكِ، وَأَصْبِحِي سِرَاجَكِ، وَنَوِّمِي صِبْيَانَكِ إِذَا أَرَادُوا عَشَاءً، فَهَيَّأَتْ طَعَامَهَا، وَأَصْبَحَتْ سِرَاجَهَا، وَنَوَّمَتْ صِبْيَانَهَا، ثُمّ قَامَتْ كَأَنّهَا تُصْلِحُ سِرَاجَهَا، فَأَطْفَأَتْهُ فَجَعَلَا يُرِيَانِهِ أَنّهُمَا يَأْكُلَانِ، فَبَاتَا طَاوِيَيْنِ، فَلَمّا أَصْبَحَ غَدَا إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ: ضَحِكَ اللهُ اللّيْلَةَ - أَوْ عَجِبَ - مِنْ فَعَالِكُمَا، فَأَنْزَلَ اللهُ : ﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَـٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (صحیح بخاری: 3798)

"سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے اسے ازواج مطہرات کے یہاں بھیجا۔ (تاکہ ان کو کھانا کھلا دیں) ازواج مطہرات نے کہلا بھیجا کہ ہمارے پاس پانی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ان کی کون مہمانی کرے گا؟ ایک انصاری صحابی بولے میں کروں گا۔ چنانچہ وہ ان کو اپنے گھر لے گئے اور اپنی بیوی سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے مہمان کی خاطر تواضع کرو، بیوی نے کہا: گھر میں بچوں کے کھانے کے سوا اور کوئی چیز بھی نہیں ہے، انہوں

نے کہا: جو کچھ بھی ہے اسے نکال دو اور چراغ جلالو اور بچے اگر کھانا مانگتے ہیں تو انہیں سلا دو۔ بیوی نے کھانا نکال دیا اور چراغ جلا دیا اور اپنے بچوں کو (بھوکا) سلا دیا، پھر وہ دکھا تو یہ رہے تھے کہ جیسے چراغ درست کر رہے ہوں لیکن انہوں نے اسے بجھا دیا، اس کے بعد دونوں میاں بیوی مہمان پر ظاہر کرنے لگے کہ گویا وہ بھی ان کے ساتھ کھا رہے ہیں، لیکن ان دونوں نے (اپنے بچوں سمیت رات) فاقہ سے گزار دی، صبح کے وقت جب وہ صحابی آپ ﷺ کی خدمت میں آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم دونوں میاں بیوی کے نیک عمل پر رات کو اللہ تعالیٰ ہنس پڑا یا (یہ فرمایا کہ اسے) پسند کیا، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (سورۃ الحشر: 9)

اور وہ (انصار) ترجیح دیتے ہیں اپنے نفسوں کے اوپر (دوسرے غریب صحابہ کو) اگرچہ وہ خود بھی فاقہ ہی میں ہوں اور جو اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا گیا سو ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

سبحان اللہ! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خدمت انسانیت کی جو مثال پیش کی ہے اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔

3۔ ابو الہیثم بن تیہان انصاری رضی اللہ عنہ کی مہمان نوازی:

حدیث میں ہے: خَرَجَ رَسولُ اللهِ ﷺ ذاتَ يَومٍ -أوْ لَيْلَةٍ- فَإِذا هو بأَبِي بَكْرٍ وعُمَرَ، فَقالَ: ما أخْرَجَكُما مِن بُيُوتِكُما هذِه السّاعَةَ؟ قالا: الجُوعُ يا رَسولَ اللهِ قالَ: وأَنا، والذي نَفْسِي بيَدِهِ، لأَخْرَجَنِي الذي أخْرَجَكُما، قُومُوا، فَقامُوا معهُ، فأتى رَجُلًا مِنَ الأنْصارِ فإذا هو ليسَ في بَيْتِهِ، فَلَمّا رَأَتْهُ المَرْأَةُ، قالَتْ: مَرْحَبًا وأَهْلًا، فَقالَ لها رَسولُ اللهِ ﷺ: أيْنَ فُلانٌ؟ قالَتْ: ذَهَبَ يَسْتَعْذِبُ لَنا مِنَ الماءِ، إذْ جاءَ الأنْصارِيُّ، فَنَظَرَ إلى رَسولِ اللهِ ﷺ وصاحِبَيْهِ، ثُمَّ قالَ: الحَمْدُ لِلَّهِ، ما أحَدٌ اليومَ أكْرَمَ أضْيافًا مِنِّي، قالَ: فانْطَلَقَ، فَجاءَهُمْ بعِذْقٍ فيه بُسْرٌ وتَمْرٌ ورُطَبٌ، فَقالَ: كُلُوا مِن هذِه، وأَخَذَ المُدْيَةَ، فَقالَ له رَسولُ اللهِ ﷺ: إيّاكَ والْحَلُوبَ، فَذَبَحَ لهمْ، فأكَلُوا مِنَ الشّاةِ ومِنْ ذلكَ العِذْقِ وشَرِبُوا، فَلَمّا أنْ شَبِعُوا ورَوُوا، قالَ رَسولُ اللهِ ﷺ لأَبِي بَكْرٍ وعُمَرَ: والذي نَفْسِي بيَدِهِ، لَتُسْأَلُنَّ عن هذا النَّعِيمِ يَومَ القِيامَةِ، أخْرَجَكُمْ مِن بُيُوتِكُمُ الجُوعُ، ثُمَّ لَمْ تَرْجِعُوا حتّى أصابَكُمْ هذا النَّعِيمُ (صحیح مسلم: 2038)

”رسول اللہ ﷺ ایک دفعہ رات یا دن کو باہر نکلے اور آپ ﷺ نے سیدنا ابو بکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا تو پوچھا کہ تمہیں اس وقت کون سی چیز گھر سے نکال لائی ہے؟ انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! بھوک کے مارے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں بھی اسی وجہ سے نکلا ہوں، چلو۔ پھر وہ آپ ﷺ کے ساتھ چلے، آپ ﷺ ایک انصاری کے دروازے پر آئے، وہ اپنے گھر میں نہیں تھے۔ ان کی عورت نے آپ ﷺ کو دیکھا تو اس نے خوش آمدید کہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

فلاں شخص (اس کے خاوند کے متعلق فرمایا) کہاں گئے ہیں؟ وہ بولی کہ ہمارے لیے میٹھا پانی لینے گئے ہیں، اتنے میں وہ انصاری آدمی آگئے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے دونوں ساتھیوں کو دیکھا تو کہا کہ: اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ آج کے دن کسی کے پاس ایسے مہمان نہیں ہیں جیسے میرے پاس ہیں۔ پھر گئے اور کھجور کا ایک خوشہ لے کر آئے جس میں گدر یعنی سوکھی اور تازہ کھجوریں تھیں اور کہنے لگے کہ اس میں سے کھائیے پھر انہوں نے چھری لی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ

دودھ والی بکری مت ذبح کرنا۔ انہوں نے ایک بکری ذبح کی اور سب نے اس کا گوشت کھایا اور کھجور بھی کھائی اور پانی پیا۔ جب کھانے پینے سے سیر ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابو بکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا:

قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، قیامت کے دن تم سے اس نعمت کے بارے میں سوال ہو گا کہ تم اپنے گھروں سے بھوک کے مارے نکلے اور نہیں لوٹے یہاں تک کہ تمہیں یہ نعمت ملی۔ (اس فضل پر سوال ضرور ہو گا)

مگر افسوس! اسلام میں مہمان نوازی کی اس قدر ترغیب وتاکید ہونے کے باوجود آج ہمارے سماج میں یہ خوبی بہت کم لوگوں میں پائی جاتی ہے، پہلے زمانے میں غربت وافلاس اور معاشی تنگی کے باوجود دل کشادہ ہوتے تھے، لوگ اپنے گھر آنے والے مہمان کی آمد پر خوش ہوتے اور ہر ممکن خدمت کرتے اور خوش کر کے واپس بھیجتے تھے مگر آج کے اس ترقی یافتہ دور میں جب کہ معاشی خوش حالی ہے، گھروں میں ہر طرح کی سہولیات میسر ہیں، مگر دل تنگ ہیں، قریبی رشتے داروں اور خاص مہمانوں کی آمد پر بھی تنگی محسوس کرتے ہیں، بعض لوگ مہمان نوازی کرتے بھی ہیں تو فخر ومباہات اور دنیوی مقاصد اور فوائد حاصل کرنے کے لیے۔ اللہ المستعان۔

☆☆☆



(اشراک فی العقیدہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے اوصاف (رزق و روزی دینا، اولاد عطا کرنا، زمین و آسمان میں تصرف کرنا،) پیر و پیغمبر، جن و پری، فرشتوں یا اور مخلوق میں ثابت کریں، اگرچہ تھوڑا ہی ہو۔ پس جو شخص اس بات کا اعتقاد کرے کہ انبیاء یا ملائکہ یا کوئی اور، خدا کے سوا آسمان سے پانی برسانے میں، زمین سے دانہ نکالنے، کسی کو اولاد دینے یا مار ڈالنے یا اندھا بہرہ کرنے یا دوسرے کو ضرر و نقصان پہنچانے یا رزق و دولت دینے کا اختیار ہے تو ایسا عقیدہ رکھنے والہ مشرک ہے۔ پس اللہ کے سوا کسی اور کو بایں طور پکارنا کہ اے شخص! میری حاجت روا کر، خالص کفر ہے کیونکہ خدا فرماتا ہے:

﴿ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ﴾

یعنی ہم خاص تجھی کو پوجتے اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں (شعر کا ترجمہ۔ میں آدمی سے مدد نہیں چاہتا۔ خدا کے سوا کسی اور کی طرف میری راہ نہیں ہے)

خدا تعالیٰ، جناب رسول اللہ ﷺ کے باب میں، جو صرف خلق ہی کی ہدایت کے واسطے حق کی طرف سے آئے تھے، ارشاد فرماتا ہے: اے محمد! تم جس کو چاہو راہ پر نہیں لگا سکتے، لیکن خدا جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔

معلوم ہوا کہ خدا کے سوا اور کسی شخص کے ہاتھ میں ہدایت کی باگ نہیں ہے۔ علی ھذا القیاس کسی نبی اور ولی اور فرشتے کو قیامت میں کسی قسم کے تصرف اور دخل کی گنجائش نہ ہوگی تاکہ کسی کو جنت اور کسی کو دوزخ میں لے جائے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا ۖ وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلَّهِ ﴾ یعنی قیامت کے دن کوئی کسی کا کسی چیز میں مالک نہ ہوگا۔ اس دن ہر چیز کا حکم خدا ہی کیلئے ہوگا۔ قیامت کا دن ایسا ہولناک ہوگا کہ ماں باپ اولاد کو نہ پوچھیں گے۔ اور اولاد ماں باپ کا منہ نہ دیکھیں گے۔ استاد شاگردوں سے بیگانے ہوں، پیر مریدوں کے سامنے سے چلتے بنیں گے۔ دنیا میں جن کی پیروی کی جاتی ہے وہ اپنے فرمانبرداروں سے بیزار ہوں گے اور فرمانبردار لوگ ان سے جن کی یہ اطاعت کرتے تھے، لڑیں گے۔

آدمی جس طرح دنیا میں اکثر اوقات شفاعت کا حال دیکھتے ہیں اسی طرح آخرت میں شفاعت کا گمان کرتے ہیں۔ مثلاً بادشاہ نے ایک چور کے ہاتھ کاٹنے کا اشارہ کیا۔ وزیر یا ارکان دولت میں سے کسی اور شخص نے اس کی سفارش کی۔ بادشاہ نے خیال کیا کہ اگر ان کی سفارش قبول نہیں کرتا تو میری سلطنت کو خلل عظیم پہنچتا ہے۔ ناچار بادشاہ نے ان کی سفارش کی وجہ سے اپنے قصد اور ارادے کو باز رکھا۔ یا بادشاہ کی بیوی اس کی سفارش کرتی ہے اور بادشاہ اس محبوبہ کی محبت کے سبب سے اپنے پر جبر اختیار کر کے چور کی رہائی کرتا ہے۔ سو خیال کرنا چاہیے کہ ان باتوں میں خواہش کا رد کرنا لازم آتا ہے، اور جبر پیدا ہوتا ہے۔ قیامت کے دن اس قادر مختار کی جناب میں اس قسم کا معاملہ کس طرح واقع ہونے لگا؟ کیونکہ لا رآد لقضائہ اس کی خواہش و ارادہ کوئی پھیر نہیں سکتا۔

یا آدمی شفاعت کے یہ معنی سمجھتے ہیں کہ ایک شخص اپنا بدلہ لینا چاہتا ہے،۔ مگر دوسرے کی ممانعت کی وجہ سے بدلہ نہیں لے سکتا۔ سو خدا کے حضور میں یہ بات ہرگز محقق نہیں ہے۔ اس کی شان تو اس قسم کے صریح نقصان سے پاک ہے۔ ارشاد ہے:

﴿ وَاتَّقُوا يَوْمًا لَّا تَجْزِي نَفْسٌ عَن نَّفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴾

کہ اے لوگو! اس دن سے خوف کرو جس میں کوئی نفس کسی نفس سے کچھ بھی کفایت نہ کریگا اور نہ اس کی سفارش قبول ہوگی، نہ کسی سے بدلہ لیا جائے گا اور نہ وہ مدد دیے جائیں گے۔

مگر بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیت اور اس جیسی دیگر آیتیں کافروں کے حق میں اتری ہیں حالانکہ یہاں لفظ لا نکرہ آیا ہے۔ جو عموم و شمول پر دلالت کیا کرتا ہے۔ پس اس شبہ کے دفعیہ میں خدا نے مومنوں کو خطاب کیا کہ اے ایمان والو! جو چیز ہم نے تم کو دی ہے اس میں سے خرچ کرو۔ اور اس دن کے آنے سے پہلے جس میں نہ بیع ہے (یعنی نہ تو گناہ بیچ کر نیکی خرید ی جائے گی) اور نہ کوئی شخص کسی کی دوستی کی وجہ سے بخشا جائے گا اور نہ کسی کو کسی کی سفارش نفع دے گی کیونکہ اس قسم کی شفاعت کے قبول کرنے میں جبر لازم آتا ہے۔ پس واضح ہو گیا کہ یہ آیت مسلمانوں کے حق میں نازل فرمائی ہے۔ کس لئے کہ خطاب انہی سے ہوا ہے۔

شفاعت کی ایک دوسری قسم بھی ہے جس میں جبر لازم نہیں آتا۔ اس کی مثال یوں سمجھنی چاہیے کہ ایک خوش نویس چور کو بادشاہ کے دربار میں لوگوں نے حاضر کیا۔ بادشاہ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمایا۔ مگر ایک اور شخص نے بادشاہ کے حضور میں عرض کی کہ یہ گنہگار خط خوب لکھتا ہے، اگر اس کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں گے تو اس شہر میں خوش نویس کا وجود باقی رہے گا۔ اس خبر کے سننے سے بادشاہ کا ارادہ خود بخود بدون اس کے کہ کوئی اس پر جبر کرے، بدل جاتا ہے اور کسی قسم کا جبر لازم نہیں آتا۔ اتنی بات ضرور ہے کہ ایک شخص مجرم کے وصفوں میں سے ایک ایسا وصف بیان کرتا ہے جس سے بادشاہ غافل تھا۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ قیامت کے دن ہماری جناب میں اس قسم کی بھی سفارش واقع نہ ہوگی۔

چنانچہ فرمایا: اور خدا کے علاوہ ان کو پوجتے ہیں جو انہیں نہ ضرر دیتے ہیں اور نہ نفع پہنچاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ خدا تعالی کے پاس ہماری شفاعت کرنے والے ہیں۔ اے محمد ﷺ تم کہدو۔ کیا آگاہ کرتے ہو خدا کو اس چیز سے جسے وہ آسمان و زمین میں نہیں جانتا۔ خدا پاک اور بزرگ ہے اس چیز سے کہ شریک کرتے ہیں۔

﴿وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللَّهِ ۚ قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللَّهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ ۚ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾

یعنی جو چیز زمین اور آسمان میں ہے، خدا اسے خوب جانتا ہے کیونکہ وہ عالم الغیب ہے۔ اور بندے اس کے مخلوق ہیں۔ نیز وہ ہر بندہ کی بھلائی برائی خود ہی خوب جانتا ہے۔ اس کے سامنے دوسروں کے بیان کرنے کی کوئی حاجت نہیں۔ پس اس قسم کی شفاعت میں ہر چند کہ جبر لازم نہیں آتا لیکن اس عالم الغیب والشّھادۃ کی لاعلمی لازم آتی ہے۔ (اس کی شان اس سے برتر ہے)

شفاعت کا ایک اور طریقہ بھی ہے، جس کی مثال یہ ہے کہ چار چور ایک ہی وقت میں بادشاہ کے سامنے گرفتار ہو کر آئے۔ تین تو ان میں سے چوری اور عیاری کے فن میں نہایت ہشیار اور سلطانی غضب سے بے باک تھے اور ایک ان میں پرہیز گار آدمی تھا جو اتفاقاً شیطان کے مکر و فریب میں آکر اس برے فعل میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اب بادشاہ کے حضور میں آنکھوں سے آنسو بہاتا اور گناہ کی شرمندگی سے سر اوپر نہیں اٹھاتا ہے جس سے بادشاہ نے معلوم کر لیا کہ

یہ بے چارہ اس برے فعل میں ناگہاں گرفتار ہو گیا ہے، اس نے چوری کا پیشہ مقرر نہیں کیا۔ اس وقت بادشاہ کی مہربانی گو اس کی عفو تقصیر کی طرف متوجہ ہوتی ہے مگر سلطنت کا قانون اس بات کو نہیں چاہتا کہ ایک کو بخش دیں اور دوسروں کے ہاتھ کاٹیں۔

اس وقت بادشاہ خود کوئی سبب ڈھونڈتا ہے اور حاضرین دربار میں سے ایک شخص کو خفیہ اشارہ کرتا ہے کہ تو فلاں شخص کی سفارش کر، تاکہ میں اسے بخش دوں۔ اس اشارہ کے سمجھتے ہی مقربان مجلس میں سے وہ شخص شفاعت کی پیشانی زمین پر گھستا ہے کہ اس مجرم کا ہم سے تعلق ہے اگر آپ اس کی تقصیر کو معاف فرمائیں گے تو احسان پر احسان ہو گا۔ یہ حال دیکھ کر بادشاہ بدلہ لینے سے درگذر کرتا ہے۔ پس اس قسم کی شفاعت سے کوئی جبر لازم نہیں آتا بلکہ اس کی رضا اور خواہش اس میں تھی جو واقع ہوا۔ سو قیامت کے دن شفاعت کی یہ ہی صورت متحقق ہو گی جس کی طرف اللہ نے یوں اشارہ فرمایا ہے:

﴿مَن ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِندَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ﴾

کہ کون شخص ہے جو اللہ کے پاس سفارش کرے مگر اس کی اجازت کے ساتھ۔ پس جس شخص کے حق میں اجازت ہو گی اس کی سفارش جلوہ گر ہو گی اور اگر عیاذاً باللہ ارادہ الٰہی کسی کے بدلہ لینے پر متعلق ہو گا تو کس کو طاقت ہو گی جو اس کے حضور میں شفاعت کا دم مارے۔ پس خدا تعالی کو راضی کرنا چاہیے جس کے ہاتھ میں شفاعت کی باگ ہے اور در حقیقت سفارش کرنے والی بھی وہی پاک اور بے پرواہ ذات ہے

چنانچہ اسی معنی کی طرف اشارہ فرماتے ہیں:

﴿قُل لِّلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا﴾

اے محمد ﷺ تم کہہ دو کہ خاص خدا ہی کے واسطے تمام سفارش ہے۔ یعنی شفاعت بھی کسی دوسرے کے ہاتھ میں نہیں ہے۔

یہ شفاعت کا حال ہے جس کی حقیقت اور کنہ سے اکثر نادان لوگ ناواقف ہیں۔ پس مسلمان کو چاہیے کہ پیغمبروں اور ولیوں میں سے کسی کو بھی دین و دنیا کے نفع و ضرر پہنچانے پر قادر نہ جانے۔ چنانچہ یہی معنی اس آیت سے مقصود ہیں:

﴿قُل لَّا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۚ وَلَوْ كُنتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ ۚ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾

کہ اے محمد! آپ فرما دیجئے کہ میں اپنے لئے نفع و ضرر پہچانے کی طاقت نہیں رکھتا مگر جو خدا نے چاہا، اور اگر میں علم غیب جانتا تو منفعت کی جنس سے بہت کچھ جمع کر لیتا اور مجھے کوئی سختی نہ پہنچتی۔ میرا کام بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ میں ڈرانے والا، اور جو لوگ یقین رکھتے ہیں انہیں خوشی سنانے والا ہوں۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ پیغمبر ﷺ باوجود یکہ خدا کے رسول ہیں مگر تب بھی اپنی جان کو نفع پہچانے اور ضرر سے باز رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ نیز حق تعالی فرماتا ہے کہ اے محمد! تم کہہ دو میں ہرگز علم غیب نہیں جانتا۔ یہ تو محض خدا کا خاصہ ہے۔ اگر میں علم غیب جانتا تو بہت بھلائیاں جمع کر لیتا اور مجھے کوئی بھی نقصان نہ پہنچتا۔ مثلاً۔۔۔ اگر مجھے علم ہو تاکہ جنگ احد میں شکست ہو گی، تو اس روز جنگ نہ کرتا۔ تم جو ہمارے ساتھ یہ اعتقاد رکھتے ہو کہ جس وقت ہم اپنے پیغمبر کو یاد کرتے ہیں، وہ سن لیتا ہے اور ہر آنے والی چیز کو یا جو نظر سے غائب ہے اسے خوب جانتا ہے، محض غلط ہے۔ میں اس قسم کا آدمی نہیں ہوں۔ میرا کام تو عذاب الٰہی سے ڈرانا اور غیر متناہی نعمتوں کی خوشخبری سنانا ہے اور یہ بھی صرف انہی لوگوں کو جو ہماری باتوں پر یقین رکھتے ہیں۔ کوئی اتنا بھی نہیں جانتا کہ ہماری پیٹھ پیچھے کیا ہے اور شام کو کیا ظاہر ہو گا۔

نیز دوسری آیت میں فرماتے ہیں:

﴿وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ﴾

کہ آدمی، خدا کے علم میں سے کچھ بھی احاطہ نہیں کر سکتے، مگر اسی قدر کہ خدا نے چاہا۔

معلوم ہوا کہ جو چیز خدا کے علم میں ہے وہ بندہ کی نظر سے غائب ہے اور اس میں سے بندہ کو کچھ بھی معلوم نہیں ہو سکتا، ہاں جس قدر خدا چاہتا ہے، اتنا علم دے دیتا ہے۔ پس یہ بھی خدا کے اختیار میں ہے نہ بندہ کے اختیار میں)۔

☆☆☆

